امن یجیب المضطر اذا دعاہ و یکشف السوء

سلسلہ خطبات غربیہ (۲)

توحید۔ دعا۔ تصوف

جنہیں
ذیل کے چار معرکۃ الآرا خطبات میں دلائل عقلیہ و نقلیہ سے
پوری روشنی ڈالی گئی ہے

(۱) توحید الٰہی (بمقام وایٹ سٹی شیپرڈ بش)
(۲) اللہ تعالیٰ کی تعلیم کردہ دعا۔ (اس میں سورہ فاتحہ کی ایک لطیف تفسیر ہے) (بمقام ووکنگ)
(۳) دعا اور استجابت دعا (بمقام لنڈسی ہال لنڈن)
(۴) تصوف (بمقام فوکسٹن)

از

خواجہ کمال الدین بی اے ایل ایل بی مسلم مشنری ووکنگ انگلنڈ

مطبوعہ یونین سٹیم پریس لاہور میں چھپکر شائع ہوا
کتبہ خاکسار محمد اکبر کاتب عفی عنہ
قیمت فی جلد (۵) ۔ تعداد جلد (۱۰۰۰)

قیمت فی خطبہ ۵؎ خطبات غربیہ محصولڈاک بذمہ خریدار

مصنفہ

جناب خواجہ کمال الدین صاحب بی اے ایل ایل بی مسلم مشنری ایڈیٹر اسلامک ریویو مجدد ووکنگ لنڈن یہ وہ معرکۃ الآرا خطبے ہیں۔ جو جناب خواجہ کمال الدین صاحب نے اپنے قیام لنڈن میں نا آشنایان اسلام کو اسلام سے معرف کرانے اور ان پر حقانیت اسلام متحقق کرنے کیلئے انگلستان۔ فرانس اور سکاٹ لینڈ کے مختلف مقامات پر خطبوں لیکچر اور تقریروں کی شکل میں دئے۔ انکے پڑھنے سے ہر ایک شخص صرف اسلام کی خوبیوں اور اس کے اصولوں سے واقف ہو جاتا ہے بلکہ دیگر مذاہب کے مقابل پر اسلام کی افضلیت کا قائل ہو جاتا ہے۔ ان خطبوں میں چند خطبات ہم نے بعض احباب کی بار بار فرمائش پر اردو میں ترجمہ کرائے ہیں ان خطبات کے مضامین کے لحاظ سے انہیں چھ جلدوں میں حسب ذیل سلسلہ پر ترتیب دیا ہے۔

(۱) سلسلہ خطبات غربیہ نمبر۱۔ موسوم بہ مسجد ووکنگ کے ابتدائی خطبات۔

(۲) سلسلہ خطبات غربیہ نمبر۲ موسوم بہ توحید الہی۔ دعا اور تصوف۔

(۳) سلسلہ خطبات غربیہ نمبر۳ موسوم بہ خطبات عیدین

(۴) سلسلہ خطبات غربیہ نمبر۴ موسوم بہ دہریوں اور لادینوں کو خطاب۔

(۵) سلسلہ خطبات غربیہ نمبر۵۔ موسوم بہ اسلام اور دیگر مذاہب۔

(۶) سلسلہ خطبات غربیہ نمبر۶۔ موسوم بہ حقوق نسوان۔

نوٹ۔ آیندہ انشاء اللہ یہ سلسلہ جاری رہیگا مسلسل خطبات اردو میں شائع ہوتے رہینگے جو احباب مستقل طور پر ان کے خریدار ہونا چاہیں ازراہ کرم بذریعہ کارڈ مطلع فرمادیں۔ تاکہ جب کبھی اس سلسلہ میں کوئی نیا خطبہ شائع ہو۔ فوراً ان کی خدمت میں ارسال کر دیا جائے۔

المشتہر

مینجر اشاعت اسلام بک ڈپو عزیز منزل نولکھا لاہور

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

سلسلہ خطبات غربیہ نمبر ۲

توحید الٰہی

۷۔ جولائی ۱۹۱۴ء کو ووکنگ مسلم مشن نے وائٹ سٹی فیپرڈ بش کے اگزیبیشن میں ایک خاص اہتمام سے ایک دن منایا گیا۔ اس کا نام مُسلِم ڈے یعنی مسلم دن رکھا گیا۔ ایک بڑا ہال اس اگزیبیشن میں لیا گیا۔ یہ جمعہ کا دن تھا۔ اور ایک بجے سے لے کر رات کے دس بجے تک مختلف کام کئے گئے۔ چار نمازیں باجماعت بھی پڑھی گئیں۔ اور دوسرے وقفوں میں مختلف لکچر اور خطبات مختلف اصحاب نے پڑھے۔ خطبہ ذیل نماز جمعہ میں بطور خطبہ جمعہ خواجہ صاحب نے پڑھا۔ کل جلسہ میں پانصد سے زاید مسلم اور غیر مسلم اصحاب موجود تھے ۔ مرتب

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ؏

ترجمہ - کہہ دے (اے رسول) کہ سوائے اس کے نہیں - کہ میں تمہارے مانند ایک آدمی ہوں - ہاں میری طرف یہ وحی بھیجی جاتی ہے - کہ تمہارا معبود صرف ایک ہی ہے - پس جو شخص اپنے رب کی ملاقات کی امید رکھتا ہو اُسے چاہیئے - کہ عمل صالح بجا لائے - اور اپنے رب کی عبادت میں کسی ایک کو بھی شریک نہ ٹھیرائے +

معزز خواتین اور اخوان! مَیں تم کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسے ایک انسان کے پیرو ہونے پر نہایت زور سے مبارکباد دیتا ہوں - تم انسان ہو - اور انسانی خیالات اور جذبات ہی تم میں موجزن ہیں - تمہاری تمام قابلیتیں اور قوائے انسانی رنگ میں ہی رنگین ہیں - اور اس لئے تمہاری رہنمائی اور تعلیم کے لئے بھی کسی انسان ہی کی ضرورت ہے - ہم بے شک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسے پاک اور برگزیدہ آقائے نامدار پر جس نے قرآن کریم کے مندرجہ بالا الفاظ میں پکار کر کہا - کہ انما انا بشر مثلکم بجا فخر رکھتے ہیں - یہی الفاظ دنیا کی شاندار ترقیات کی

خوشخبری اور انسانی ترقی کی بہترین تحریک ہیں۔ نیز ہمیں اس بات
کی ترغیب و تحریص دلانے کے لئے کہ ہم حضرت رسول کریم صلی
اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کی پیروی کریں۔ ہمارے اُس ایمان سے زیادہ
زبردست چیز اور کوئی نہیں ہوسکتی۔ جو ہم اُن کی اور اپنی بحیثیت
انسان ہونے کے یکسانیت میں رکھتے ہوں۔ انسان اور ہاں صرف
انسان ہی ہمارے لئے بہترین نمونہ بن سکتا ہے۔ اور کوئی حیوان یا
فرشتہ کسی ایسے کام نہیں آسکتا۔ کیا ہم کل امور دنیا میں دوسروں
کے قدموں پر نہیں چلتے۔ اور دوسروں کی نقل نہیں کرتے؟ کیا
ہماری تربیتِ اخلاق میں آبائی اور موروثی خیالات اسے بہت
بڑھ کر ہمارے قرب وجوار کا اثر نہیں ہوتا؟ بچپن سے لے کر
جوانی کی عمر تک ہمارے والدین۔ ہمارے اُستاد۔ ہمارے دوست
یا یوں کہنا چاہیئے۔ کہ وہ شخص جو دوسرے سے بڑھ کر اثر رکھتا ہو
اپنے نمونہ کی طرف ہماری توجہ کھینچتا اور ہمیں اپنا مطیع بنا لیتا ہے
لیکن ہمیں کبھی کسی ایسی ہستی کی تقلید کرنے یا اُس کی نقل اُتارنے
کا خیال تک بھی نہیں آتا۔ جس کی فطرت اور قابلیت ہماری اپنی
فطرت سے بالکل مختلف ہو۔ ہم شیر اور ہاتھی کی اُن کی بہادری
اور طاقت کے باعث بہت تعریف و توصیف کیا کرتے ہیں۔

مگر انہیں اپنے لئے نمونہ کبھی نہیں بنایا کرتے۔ ہم میں شیر یا ہاتھی بننے کی نہ تو خواہش اور نہ طاقت اور قابلیت ہی ہے۔ ان حالات میں کیا خدا بن جانے کی خواہشات ہمیں لایق اور سزاوار ہیں۔ ہرگز نہیں۔ ہم میں اس بات کی کوئی خواہش اور رغبت ہی نہیں۔ ہم اپنی فطرت انسانی کی مقررہ حدود سے باہر جا ہی نہیں سکتے۔ جب حالت ایسی ہے۔ تو پھر ایک متشکل خدا کی رجوانسانی لباس پہن کر دنیا میں آنازل ہو۔ ہمیں نمونہ کے لئے کوئی ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟ قرآن کریم کی ایک آیت میں اسی صداقت کو کیا ہی صاف اور صریح الفاظ میں یوں بیان کیا گیا ہے۔ کہ وما منع الناس ان یومنوا اذ جاءھم الھدیٰ الا ان قالوا ابعث اللہ بشراً رسولاً قل لو کان فی الارض ملٰئکۃ یمشون مطمئنین لنزلنا علیھم من السماء ملکا رسولا۔ یعنی لوگوں کو (خدا کی طرف سے) آئی ہوئی ہدایت کی پیروی کرنے سے سوائے اس کے اور کسی چیز نے نہیں روکا۔ کہ انہوں نے کہا کہ کیا اللہ تعالےٰ نے ہم میں ایک انسان کو رسول بنا کر بھیجا ہے تو کہہ دے (اے رسول) کہ اگر زمین میں فرشتے آرام سے چلا کرتے۔ تو ہم فرشتے رسولوں کو ہی ان پر آسمان سے نازل کرتے

ایک فرشتہ صرف فرشتوں کی طرف ہی خدا تعالیٰ کی طرف سے رسول ہو کر آسکتا ہے۔ وہ اپنے جذبات واحساسات میں ہم سے بکلی مختلف ہونے کے باعث ہمارا رہبر یا پیغمبر نہیں ہو سکتا۔ اور تو اور خود خدا تعالےٰ کی الوہیت کی نقل بھی ہم نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ہم اپنی انسانی حدود سے ہرگز تجاوز نہیں کر سکتے۔ میں حیران ہوں کہ یسوع مسیح کو خدا بنانے پر مغربی کلیسیا کو کس بات نے آمادہ کیا۔ ابن مریم خدا ہو سکتا ہے۔ یا نہیں۔ یہ مسئلہ کسی قدر معقول اور سمجھ دار انسان کے غور و فکر کے شایان شان نہیں۔ مگر بہر حال فیصلہ کن امر یہ ہے۔ کہ اگر وہ خدا ہے۔ تو وہ بنی نوع انسان کے لئے نمونہ یا اُس کا ہادی بننے کے لائق نہیں۔ درحقیقت یسوع نے کبھی خدائی کا دعوےٰ نہیں کیا۔ اُسے خدا کا بیٹا کہا گیا ہے۔ مگر اس نے دوسروں کو بھی اسی خطاب کے لائق سمجھا اُس نے ہمارے لئے چند ایک اخلاقی قوانین وضع کئے۔ مگر اُس نے شریعت کو سرے سے منسوخ یا باطل نہیں کیا۔ اُس نے عجیب کام اور معجزات بھی دکھائے۔ مگر اس نے دوسروں میں ایسی طاقت کے ہونے کا انکار نہیں کیا۔ اور درحقیقت مجھے تو تمام عیسائی کتب میں اس کی نسبت کوئی ایسی بات پڑھنے میں نہیں آئی جس کی اس کے ہمسر رسولوں میں ہونے کا انکار کیا جا سکے۔ وہ مجسم انسان تھا۔ اور

لئے دوسروں کے لئے نمونہ بننے کے لایق۔ اور اس کے گرد و نواح
کے تاثرات کو بھی کافی گنجایش مل سکتی تھی۔ کفارہ کی نسبت میں جتنا
بھی تھوڑا ذکر کروں۔ زیادہ بہتر ہے۔ لیکن اس لحاظ سے بھی وہ کوئی
نمونہ نہ تھے۔ کوئی دوسرا شخص اس لعنت عالمیان باگناہان دنیا کو جو
کہا جاتا ہے۔ کہ انسان کے گلے مڑھ دی گئی ہے۔ اُٹھا لینے پر بھی خدا
نہیں بن سکتا۔ الغرض یسوع خواہ خدا ہے۔ ... یا نہیں۔ مگر ایسا ہو
بھی جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے۔ تو انسانی نمونہ کی حیثیت سے مجھے اس
کا کوئی فایدہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ میں ایک انسان ہوں۔ اور انسانی
خیالات اور جذبات رکھتا ہوں۔ الغرض یسوع مسیح خدا ہو یا نہ ہو۔
اس سے ہمیں کوئی واسطہ نہیں۔ لیکن اگر وہ سچ مچ خدا ہی تھا۔ تو
انسانیت کے لحاظ سے اس کا نمونہ میرے لئے کوئی کار آمد چیز نہیں
بلکہ اس کا عدم وجود برابر ہے۔ کیونکہ اس حیثیت میں مجھے اس سے
کوئی فایدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ میں انسان ہوں۔ اور انسانی خیالات
و خواہشات رکھتا ہوں۔ ہاں عرب کے عظیم الشان اور برگزیدہ نبی
صلعم کی اطاعت مجھے بہت پسندیدہ ہے۔ جس نے انما انا لبشر مثلکم
کہہ کر اپنی بشریت کا یقین دلایا۔ آپ کا یہ قول میرے آگے سچے نمونہ
کو پیش کرنا اور میری آنکھوں کے سامنے خوشنما امیدوں اور شاندار

ممکنات کا ایک نہایت واضح اور درخشاں نظارہ لے آتا ہے۔ انما انا بشر مثلکم کے قول سے آپؐ ایک عظیم انسان اور نہایت اعلیٰ نمونہ بن جاتے ہیں۔ میں ترقی و عروج کی اس عظیم الشان چوٹی پر خواہ چڑھ نہ سکوں۔ مگر آپؐ کے موثر الفاظ میری استعداد پر سے تمام شک و شبہات کے بادلوں کو دور کر دیتے۔ اور امید و کامیابی کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔ آپؐ مجھے یہ یقین دلا رہے ہیں۔ کہ آپؐ اور ہم اختیار اور قوت اور امکان کے لحاظ سے ایک جیسے ہی ہیں۔ ہم ایک دوسرے کی آرزوؤں اور خواہشات میں ایک دوسرے کے شریک حال ہیں۔ اور انسانی ضروریات کے ایک دوسرے کے برابر محتاج ہیں۔ اپنے آسمانی پیشوا اور رہبر کے بارہ میں یہ یقین ہمیں صرف اس کے نقش قدم پر چلنے کی بدیں امید تحریک کر سکتا ہے۔ کہ ہم اس پر چل کر انسانیت کے اصل مقصد کو حاصل کر لیں۔ کیا کوئی خدا بہ لباس انسانیت مجھے یہی الفاظ کہہ کر میرے صاف و شفاف دل کو خوشنما امیدوں اور خوشخبریوں سے پُر کر سکتا۔ اور میری زندگی کو صحیح طور پر ہزارہا سال تک قایم رکھ سکتا تھا۔ میرے آقائے نامدار جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کیا ہی خوب اور سچی ہدایت کی ہے۔ کہ ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ و یغفر لکم ذنوبکم

واللہ غفور رحیم یعنی اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو۔ تو آؤ میری پیروی اختیار کرو۔ اللہ تعالےٰ تم سے محبت کرے گا۔ اور تمہارے گناہوں کو بخش دیگا۔ اور اللہ تعالےٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ مگر دوسری طرف جناب یسوع اگر وہ واقعی خدا ہیں۔ تو وہ کبھی اپنے نقش قدم پر چلنے کی مجھے ترغیب نہیں دلا سکتے۔ خداوند کی حیثیت میں اس کا نمونہ میرے لئے ناقابل تقلید ہے۔ کیونکہ اس کے اور میرے خیالات اور خواہشات و ترغیبات بالکل متغایر ہونے کے باعث وہ مجھے خدا نہیں بنا دے سکتا +

ایمان دار اور سچے مسلمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو انسانیت کا سب سے اعلیٰ اور مکمل نمونہ تسلیم کرتے ہیں۔ اور دریں صورت کہ اُنھوں نے خود انما انا بشر مثلکم کہہ کر اپنے آپ کو ہمارے جیسا انسان ہی قرار دیا ہے۔ تو ایسی حالت میں خداوند تعالیٰ کے سوائے کوئی بھی ہمارا معبود نہیں ہو سکتا۔ اس مخفی صداقت کو کیسے صاف اور صریح الفاظ میں ہمارے ذہن نشین کیا گیا ہے۔ اور فرمایا ہے۔ کہ انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الی انما الٰھکم الٰہٌ واحد۔ دیکھو دوسرے چھوٹے نبیوں اور رفقوں کے مقدس اور روحانی آدمیوں کو ان کے پیروؤں نے خدا بنا لیا تھا۔ لیکن قرآن کریم کی

صاف اور کھلی کھلی تعلیم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو انسانی پرستش کی خفت سے بچا لیا۔ بنی نوع انسان میں مساوات اور اُن کی آپس میں ایک دوسرے سے یکسانیت کا خیال اور یہ وہ بات ہے۔ جس کو قرآن کریم نے آنحضرت صلعم کے متعلق یہ آیت پیش کر کے مسلمانوں میں مضبوط کر دیا۔ وہ غبطہ یعنی جذبہ رقابت کو انسان میں پیدا کرتا ہے۔ کہ جس سے انسان ترقی کے لئے طیار ہو جاتا ہے لیکن اس سے کسی کی کوئی ذاتی فوقیت ممکن نہیں۔ اسلام کا جو کہ اخوت و مساوات کے قایم کرنے والا ایک ہی مذہب ہے۔ خدا کی وحدانیت پر زور دینے کا بھی ایک بہت بڑا سبب ہے۔ یہ مت خیال کرو کہ ہمارا خدا کوئی "حاسد خدا ہے" خدائے تعالےٰ کے ساتھ کسی اور کو شریک ٹھیرانا . . . . اضاف عقل اور روحانیت کو بہت حد تک غلام بنا دیتا ہے۔ جب ہم خدائے تعالیٰ کی توحید پر ایمان لاتے ہیں۔ تو ہم ایک اور صرف ایک ہی ہستی کو اپنا معبود و مسجود سمجھنے ایک ہی کو اپنی رہبری کا باعث یقین کرتے۔ اور اس ایک ہی کو ایسا مانتے ہیں۔ کہ جس سے ہمیں اپنی رہبری اور امداد کی توقع رکھنی چاہیئے ہاں وہ ایک ہی ہمارے دلوں میں محبت۔ ڈر۔ اور خوف اور عزت وعظمت کا سکہ بٹھا سکتا ہے۔ اس طرح سے خدائے تعالیٰ کی وحدانیت

پر ہمارا ایمان تمام صحیح اور درست جمہوری خیالات کو نشو و نما دیتا ہے۔
ہاں یہ ایمان روح کی خود مختاری اور چال چلن کی پختگی اور عمدگی کو پیدا کرتا
ناجائز اطاعت اور غلامانہ کفش برداری کے رذیل خیالات کو نیست و
نابود کر دیتا ہے۔میں اپنا نفع نقصان خود ہی سمجھ سوچ سکتا ہوں۔میں
اپنی زندگی کا خود ہی ناخدا ہوں۔اور اپنی قسمت کی گتھی کو آپ ہی
سلجھانے والا ہوں۔میرے لئے دوسروں کے برابر سب راستے
کھلے ہیں۔اور تمام مواقع میرے آگے پیش ہیں۔اور میں وہ سب
کچھ کر سکتا ہوں۔جو دوسروں نے کیا ہے۔اس لئے ایک مسلمان
توحید باری تعالےٰ پر پختہ ایمان رکھ کر کسی ایسی چیز پر اپنے خیالات کو
گنوا نہیں سکتا۔جو انسانوں کی باہمی مساوات کے اس جذبہ کو تباہ کر
ڈالے۔یا اُسے نظر انداز کر دے۔سوسائٹی میں انسانوں کا تفاوت
مراتب کسی حالت میں بھی بنی نوع انسان کی اس مساوات کا منافی
یا مخالف نہیں۔بلکہ یہ انفرادی کوششوں کا نتیجہ اور زیادہ جدوجہد کا
محرک ہے۔یہ ترقی کے مواقعات کی برابری ہے۔جو سب لوگوں کے
لئے ویسے ہی کھلے ہونے چاہئیں۔جیسا کہ خدائے تعالیٰ کے افضال
دنیا میں سب پر برابر ہیں۔اگر دوسرے لوگ درجہ و رتبہ میں مجھ سے
کسی طرح بڑھ گئے ہیں۔تو یہ کوئی نادر وصف نہیں۔بلکہ یہ ایک ایسی

چیز کا انکشاف ہے۔ جو کہ مجھے بھی حاصل ہو سکتی ہے۔ ہاں جو کچھ کسی دوسرے کے پاس ہم سے زیادہ ہے۔ ہمارے لئے اس پر مُہر نہیں لگ گئی۔

خدائے تعالیٰ کی وحدانیت تہذیب کا جزو اعظم ہے

توحید باری تعالےٰ پر ایمان جیسا کہ اسلام نے تعلیم کیا ہے۔ ایک اور مقصد کو بھی سر انجام دیتا ہے۔ تاریخ عالم کے نامعلوم زمانوں سے اسلام کی آمد تک انسان عناصر قدرت کو جن میں بے جان بتوں سے لے کر مردم پرستی تک سب کچھ شامل ہے۔ پوجتا رہا۔ مگر جس طرح سے مردم پرستی۔ آزاد خیالی کی دشمن اور ہمارے اندر سے رشک و مقابلہ کی اس خواہش کو تباہ کر دینے والی ہے۔ جو کہ ہمیں کامیابی و سبقت کی مملکت کا پروانہ راہداری دلا دیتی ہے۔ ویسے ہی عناصر پرستی علوم طبیعیہ کے اکتشاب میں ہماری ترقی کے راستہ میں بمنزلہ سد سکندری کے حائل ہو جاتی ہے۔ ہمیں کائنات عالم پر انکشافات علوم کی کلید رکھنے کے باعث اپنی بزرگی و فوقیت پر ایک پختہ ایمان ہونا چاہئے۔ اور خدائے تعالیٰ کی وحدانیت پر ہمارا ایمان اس بارہ میں ہمارے لئے بہت بڑا مددگار ہے۔ ایک خدا واحد پر ایمان رکھنے سے ہمارے تمام دوسرے معبود ہمارے برابر ٹھہر جاتے۔ یا ہمارے خدمتگا ثابت ہوتے ہیں۔ لیکن اگر مظاہر کائنات کی الوہیت پر ہم ایمان رکھتے

ہوں۔ تو کیا ہم ان سے ایک نوکر جیسا سلوک روا رکھ سکتے ہیں۔ انسان گذشتہ زمانوں میں سورج چاند اور ستاروں کا پرستار رہا ہے۔ اور اس نے دریاؤں ہواؤں اور درختوں کی پوجا کی ہے۔ اور اس لئے وہ ہمیشہ ان کی عزت وعظمت کو ملحوظ رکھتا اور ان کا ڈر اور خوف اس پر مستولی رہتا ہے۔ اور یہ ایک ایسا دلی جذبہ ہے۔ جو علمی تحقیقات کیلئے مفید نہیں انسان اپنے معبودوں کی حقیقت اور ان کے اندرونی خواص دریافت کرنے کے لئے انہیں زیر تحقیقات لانے کی جرأت نہیں کرسکتا۔ بلکہ وہ ایسا خیال ہی ذہن میں نہیں لاسکتا تھا۔ اپنی ضروریات کے لئے اُنکو استعمال میں لانے کا خیال تو کفر سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے اسلام کے ظہور سے پیشتر علمی تحقیقات میں کوئی باقاعدہ ترقی نہیں ہوئی۔ قرآن کریم نے مسلمانوں کے دل میں توحید باری تعالےٰ کا نقش پختہ طور پہ جما دیا ہے۔ اور اس طرح سے اس پاک کتاب نے نہ صرف تمام جھوٹے خداؤں کو تخت الوہیت سے اُتار کر نیچے دے مارا ہے۔ بلکہ انہیں ہمارا خادم اور ضروریات کو پورا کرنے والا ظاہر کیا ہے۔ چنانچہ اس بارہ میں قرآن کریم کے شیریں الفاظ حسب ذیل ہیں:۔

اللہ الذی خلق السموات والارض وانزل من السماء ماءً فاخرج بہ من الثمرات رزقاً لکم وسخر لکم الفلک

لتجری فی البحر بامرہ۔ وسخر لکم الانھار۔ وسخر لکم
الشمس والقمر دائبین وسخر لکم اللیل والنھار (۱۴-۲۸)
الم تروا ان اللہ سخر لکم ما فی السموٰت وما فی الارض (۳۱-۱۹)

ترجمہ۔ اللہ ہی (ایسا قادر مطلق) ہے جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا۔ اور آسمان سے پانی برسایا۔ پھر پانی کے ذریعے (درختوں کے) پھل نکالے۔ کہ وہ تم لوگوں کی روزی ہے۔ اور کشتیوں کو تمہارے اختیار میں کر دیا تاکہ اس کے حکم سے دریا میں چلیں۔ اور (نیز) ندیوں کو تمہارے اختیار میں کر دیا۔ اور سورج اور چاند کو تمہارے اختیار میں کر دیا۔ کہ دونوں پڑے چکر کھا رہے ہیں۔ اور (ایسا ہی ایک طرح سے) رات و دن کو تمہارے اختیار میں کر دیا۔ اور اس بات پر نظر نہیں ہے۔ کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے۔ اور جو کچھ زمین میں ہے۔ سب کو اللہ نے (ایک اعتبار سے) تمہارا مطیع فرمان کر رکھا ہے +

جو کچھ آسمان میں ہے۔ اور جو کچھ زمین کے اوپر یا اس کے اندر ہے۔ وہ سب کے سب انسان کے مطیع کر دیا گیا ہے۔ یہ ایک صداقت ہے جو کہ قرآن کریم نے انسان پر بہت ہی دلچسپ پیرایہ میں ظاہر کی ہیں۔ کیا ہم اس ایمان کے بغیر ترقی کی طرف قدم زن ہو سکتے ہیں۔ جیسا کہ اس زمانہ میں ہو رہا ہے؟ کیا یہ آیات کریمہ تمہیں اور زیادہ آگے بڑھنے کی ترغیب نہیں دلاتیں۔ اور

قدرت کی پوشیدہ اور مخفی طاقتوں کو تمہارے قبضہ اور تصرف میں نہیں دے دیتیں۔ کیا اگر کائنات عالم کی ہر ایک مخفی طاقت تمہارے ماتحت ہو۔ اور تم کو اسکی پوری بصیرت اور معرفت حاصل ہو۔ تو عجائبات کا انکشاف کوئی ناممکن امر ہے۔ کیا اس لئے تمام دُنیا اس عظیم الشان صداقت کا صحیح علم حاصل کرنے میں قرآن کریم کی ممنون احسان نہیں ؟ ہم اگر توحید باری تعالیٰ پر خاص طور پر زور دیں۔ تو اس سے دُنیا پر ہمیں ہی غلبہ و اقتدار حاصل ہوگا اور انسانی مساوات قایم ہو جائیگی۔ ورنہ خواہ ہم اکیلے خدائے تعالےٰ کی پرستش کریں۔ یا اس کے ساتھ دس ہزار اور معبودان باطلہ کو بھی شامل کرلیں۔ تو اس سے اس کا درجہ نہ تو کوئی رتی بھر بڑھتا۔ اور نہ ہی اس کی عظمت میں کوئی ذرہ برابر بھی فرق آجاتا ہے۔ وہ غنی اور حمید ہے۔ وہ کوئی "حاسد خدا" نہیں۔ اس کی تعظیم و تکریم کرنا گویا اپنی عزت کو بڑھانا اور ترقی کرنا ہے۔ ہم جب قدرت یا اس کے اجزاء اور انسان وغیرہ کے آگے سجدہ کرتے ہیں۔ تو اس سے ہم اس کے اصلی تصوّر کو بہت گھٹا دیتے ہیں +

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

اللہ تعالیٰ کی تعلیم کردہ دُعا

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ۔ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ۔ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ۔

قرآن کریم کا افتتاح ان سات آیات سے ہوتا ہے۔ دن میں کئی مرتبہ ہر ایک مصلّی اُن کا ورد کرتا ہے۔ کیا تقویت دینے والی کیا اُمید افزاء کیا خیالات میں رفعت پیدا کرنے والی یہ دعا ہے۔ کیا آزادی کی تازہ روح پھونکنے والی یہ آیات ہیں۔ کیا لا انتہا ترقیات کا میدان پیش نظر کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفات سے کیا مؤدبانہ خطاب ہے۔ اور کیا ہی ضلالت کی راہوں سے بچنے کا مؤثر نسخہ ہے۔

اسلام سے قبل مذاہب نے خدا کو نہایت ہی نفرت انگیز صورت میں

پیش کیا۔اُس کا غصہ ایک مرتبہ بھڑکا ہوا انسان یا حیوان کی قربانی ہی سے ٹھنڈا ہوتا ہند۔یونان اور روم کے مقدس مناصب میں اس قسم کی قربانی کا رواج تھا۔یعقوب کے خاندان کے بزرگوں نے اکثر مرتبہ اُن لوگوں کے برخلاف تلوار اُٹھائی۔جو خدا کے غضب کو بھڑکانے کا باعث ہوئے۔گاؤں کے گاؤں مسمار کئے گئے۔کھیتیاں تباہ کردی گئیں۔مال اور مویشی بھی انتقام سے مستثنےٰ نہ رہے۔یہاں تک کہ بچے بوڑھے اور اور عورتیں بھی مورد عتاب ہوئیں۔اور یہ سب کس لئے محض خدا کے غصہ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے۔خدا کو رحیم وکریم ثابت کرنے کے لئے سینٹ پال نے کفارہ کا مسئلہ ایجاد کیا۔لیکن یہ اختراع بھی خدا کو اس بے رحمی کے الزام سے بری کرنے سے قاصر رہی۔وہ ہستی جو ایک قوم کی قوم کو محض ایک فرد واحد کے گناہ سے مورد عتاب ٹھیراوے۔جو بغیر فدیہ کے گناہ کی بخشش پر قادر نہ ہو۔اور وہ ہستی جو ایک خاص عقیدہ کی عدم موجودگی میں کسی قسم کی نیکی کو معقولیت کی نگاہ سے نہ دیکھ سکے۔ایسی ہستی ہرگز پیارا خدا کہلانے کے قابل نہیں ✦

ایسے خیالات نہ تو اُن کے محبوبوں کی کچھ قدر افزائی کرتے ہیں۔اور نہ ہی خدا کی شان میں ایک شوشہ کا اضافہ کرسکتے ہیں۔اور مسیح کی شان سے بہت بعید ہے۔کہ ایسی تعلیم اس کی طرف منسوب ہو۔اللہ تعالیٰ کے لاانتہا

رحم کے ساتھ جو اس نے ہماری پیدائش سے پہلے ہماری پرورش کے
سامان مہیّا کرنے میں ظاہر کی۔ ایسے فاسد عقاید کو کوئی نسبت نہیں ضرورت
تو اس بات کی تھی کہ اللہ تعالےٰ کے افضال اور احسانات کا ذکر اسی صورت
مین کیا جاتا۔ کہ انسان کو خدا کے احسانات کا احساس پیدا ہو جاتا۔ اور
وہ اس محبّت اور جانبازی کے ساتھ اُسکی عبودیت میں لگجاتا۔ جو انسان کو
طبعاً اپنے محسن سے ہوتی ہے۔ انجیل کی تعلیم اس مقصد کو پورا کرنے
سے قاصر رہی۔ قرآن کریم کی ان افتتاحی آیت نے نہایت خوبی کے
ساتھ اس کمی کو پورا کیا۔ ان میں یہ بتایا۔ کہ ہمارا خدا وہ رحمٰن خدا ہے
جس نے بغیر منّت اور احسان کے ہماری ربوبیت کے سامان مہیا کئے
اور پھر ایسے قوانین مرتب کئے۔ جو ہماری محنتوں کو بارآور کرنے میں مدد دیتے
ہیں۔ اور پھر اس پر ہی بس نہیں۔ مالک یوم الدّین کہہ کر نہایت
ہی امید افزا صفات کو اس کی طرف منسوب کر کے یہ ظاہر کیا۔ کہ ہماری
محنتیں ہرگز رائگان نہ جاویگی۔ بلکہ ان کی جزاء ہمیں آیندہ ملیگی۔ جزاء کی
بابت اعلیٰ وعدہ فرمایا۔ لیکن رحم کے کمال کو دیکھو۔ کہ سزا کے لئے کوئی ایسی
وعید نہیں دیا۔ وہ مالک ہے جزاء سزا کے دن کا۔ اور اس لئے مختار ہے
کہ سزا دے یا اپنی رحمت سے جو ہر چیز پر محیط ہے معاف فرمادے +
خداوند کریم کی مفصلہ بالا صفات کا ذکر ان افتتاحی آیات میں الفاتحہ

طور پر نہیں بلکہ وہ حقیقی صفات ہیں جو ان تمام فاسد خیالات سے انسان کے دل کو خالی کر دیتی ہیں۔ جو غلط عقاید کی پیروی سے دل نشین ہو گئے ہوں۔ اُس کے بعد دوسری آیت میں فرمایا۔ ایاک نعبد و ایاک نستعین تیری ہی عبادت کرتے اور تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔ کیا آزادی کا سبق ہے۔ کسی غیر شخص سے امداد کی طلب نہیں۔ کسی سے منت نہیں کسی سے سوال نہیں۔ اللہ کے بعد جو کہ حقیقی معبود ہے۔ عباد اللہ سب کے سب مساوی ہیں۔ اس کے افضال اور احسان سب کے لئے یکساں مفتوح الباب اور کھلے پڑے ہیں۔ جو مدارج اوروں کو ملے وہ ہم بھی حاصل کر سکتے ہیں؛

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت جو کہ اس آیت سے ظاہر ہوتی ہے۔ مساوات کا سبق بھی تعلیم کرتی ہے بے لوث وحدانیت کا سبق قرآن اس لئے نہیں دیتا۔ کہ ہمارا خدا ایک حاسد خدا ہے۔ ہماری کتاب کسی ایسی صفت کو خدا کی طرف منسوب نہیں کرتی۔ وہ اسے ایک نہایت ہی بلند ہستی کی صورت میں پیش کرتی ہے۔ یہی وحدانیت ایک اور سبق سکھاتی ہے۔ اور وہ یہ کہ تمام مظاہر قدرت یا تو انسان سے مرتبہ میں کم ہیں۔ یا اس کے ساتھ مساوی المرتبہ ہیں۔ انسان مظاہر قدرت پرستش میں صدیوں مصروف رہا۔ اس عبودیت نے اسے ترقی

کرنے سے باز رکھا۔ اور ہر ایک علم سے محروم کیا۔ اسے کسی ایسے اصول
کی ضرورت تھی۔ جو ترقی کے مغلق الواب کو کھول دیتا۔ یہ سبق قرآن
نے دیا۔ وہ یکایک ان تمام غلامیوں سے آزاد انسان ہوگیا۔ اور بجائے
اس کے کہ پہلے کی مانند ان مظاہر کی عبادت کرتا۔ اس نے ان کو
مسخر کرنا شروع کیا۔ یہیں سے تمام علوم وفنون کی ابتدا ہوئی۔ اگر ایک
طرف اس خیال نے مظاہر قدرت کی غلامی سے آزادی دی تو دوسری
اُس نے حریت۔ مساوات اور اخوت کی بنیاد ڈالی +

پانچویں آیت میں کیا وسعت اور امید ہے۔ اھدنا الصراط
المستقیم صراط الذین انعمت علیھم۔ یہاں اللہ تعالیٰ
کی نعماء کی طلب کی جاتی ہیں۔ کیا وسعت ہے۔ دو لفظ ہیں۔ اور تمام
انسانی مقاصد پر حاوی۔ اس پر طرفہ یہ کہ سکھائی ہوئی خود خدا کی ہے۔
جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اس کا کرم ہر ایک قسم کے افضال
سے انسان کو کرنا چاہتا ہے۔ مال۔ وراثت۔ صحت۔ علم۔ فضل
روحانی اور اخلاقی مدارج۔ بادشاہی اور نبوت۔ غرض
کون سی نعمت ہے۔ جسے اس کا فیض ہم سے وعدہ نہیں
فرماتا۔ الغرض یہ وہ دُعا ہے۔ جو ہمیں ان راہوں کی طرف
ہدایت کرتی ہے۔ جن پر چل کر انسان اللہ تعالےٰ کے

افضال کا مورد ہو سکتا ہے۔ ان اسباب سے آگاہ کرتی ہے۔ جن کی فراہم آوری سے انسان اللہ تعالیٰ کی نصرت کو جذب کر سکتا ہے۔ اور یہ مقصد کچھ بعید بھی نہیں۔ پہلی آیت ہی اسے کھول کر بیان کر دیتی ہے +

انسان کے ارتقاء کے لئے خداوند کریم نے جہان تخلیق کی۔ اور ہمیں یہ سکھایا۔ کہ ہم ترقی کی اس موعودہ سیڑھی پر چڑھنے کے لئے اس کی نصرت کو طلب کریں۔ ہمیں یہ تعلیم دی گئی۔ کہ ہمارا خدا رحمٰن اور رحیم خدا ہے۔ اس کی رحمانیت اس بات کی مقتضی ہوئی۔ کہ اس نے محض اپنے کرم سے ہماری تخلیق سے پہلے ہماری ربوبیت کے سامان مہیا کئے۔ اور پھر آیندہ ترقیات کو اپنی رحیمیت یعنی ہماری کوششوں اور ان کے صحیح نتائج پر مبنی کیا۔ ان دو صفات پر ربوبیت اور آیندہ ترقیات کی بنیاد رکھی۔ صحیفہ قدرت کو بھی ان ہی دو صفات کا مظہر بنایا۔ چاند۔ سورج زمین۔ آسمان غرض اس عالم کے ہر ذرّہ ذرّہ کو ہمارے ہاتھ مسخر کیا۔ وہ ہر وقت ہماری فرمانبرداری کے لئے تیار ہیں۔ لیکن جب تک ہم پہلا قدم ان کی طرف نہ بڑھادیں۔ اور انہیں اپنے کام میں لانے کے لئے کوشش نہ کریں۔ وہ ہرگز ہرگز ہماری امداد کو کھڑے نہیں ہو سکتے۔ ان کا وجود رحمانیت کے تقاضے سے ہوا۔ لیکن اُن سے استفادہ رحیمیت یعنی ہماری کوشش پر منحصر ہے۔ اسائنٹسٹ کا کام ترکیب

تفریق اشیاء سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں۔ تاہم محض اس ترکیب و تفریق سے دیکھو کیا علوم کے مخازن کھلتے ہیں۔ اناج کا ایک دانہ بھی نہیں پیدا ہو سکتا۔ جب تک کہ بیسیوں مختلف طاقتیں اپنا کام نہ کریں۔ لیکن یہ سب طاقتیں ہر وقت طیار رہتی ہیں۔ کہ کسان قواعد متداولہ کے مطابق تخم ریزی کرے۔ اور وہ فوراً اپنے کام میں لگ جاتے ہیں۔ یہی حقیقت ہے۔ جو دن میں پانچ مرتبہ ہمارے پیش نظر رہتی ہے۔ ہمارا خدا رحمٰن اور رحیم خدا ہے۔ اس کی رحمانیت سب کے لئے یکساں کام کرتی ہے۔ لیکن اس کی رحیمیت اسی کی امداد کرتی ہے جو ان مہیا کردہ سامانوں سے فائدہ اُٹھانے کے لئے اپنے قوائے سے کام لیتا ہے۔ ان دو صفات کا تعلق جسمانیت پر ہی موقوف نہیں۔ روحانیت میں بھی یہی سلسلہ جاری ہے چنانچہ فرمایا ایاک نعبد و ایاک نستعین۔ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ یہاں بھی عبادت کو جو فعل انسانی ہے (اللہ تعالیٰ کے فعل پر) مقدم رکھا۔ جو امداد کی صورت میں ظہور پذیر ہو کر انسان کو مدارج عالیہ پر پہنچاتا ہے۔ عبادت کا لفظ بھی یہاں غور طلب ہے۔ حقیقی رنگ میں عبادت کے یہ معنی ہیں۔ کہ انسان اپنے تمام قوائے کو پورے طور سے اپنے مقاصد جائزہ کے حصول کیلئے کام میں لاوے جو عبادت کے ان معانی کو نہیں سمجھتا۔ وہ قرآن کے مقصد سے دور اور

اللہ تعالےٰ کے منشا سے بہت بعید ہے۔ ایاک نستعین میں ایک اور نکتہ معرفت ہے۔ اور وہ یہ کہ انسان کو لازم ہے۔ کہ اپنی پوری کوشش اور جہد کے بعد اللہ تعالےٰ سے امداد کی طلب کرے۔ ہمت مرداں مدد خدا۔ اسی خیال سے ماخوذ ہے +

صراط الذین انعمت علیہم۔ اس مقصد کا اظہار کیا جس کے حصول کے لئے امداد کی طلب کی جاتی ہے۔ انعاماتِ الٰہی کو نصب العین قرار دیا۔ اور ان کے حصول کیلئے تڑپ اور خواہش کو مقدم اور ضروری قرار دیا۔ اس کے بعد طلب امداد کو جواز کا رنگ دیا۔ اس میں مسلمانوں کے لئے ایک نہایت ہی مفید سبق ہے۔ یہی اصول ہے۔ جو تمام دنیاوی امور میں جاری ہے۔ یہی اصول روحانیت میں بھی تمام مقاصد کے حصول کی کنجی ہے۔ اسی اصول کو صحابہ کرام نے بہت اچھی طرح سے سمجھا۔ پوری کوشش سے اس کی پیروی کی۔ اور جن نتائج اور کامیابیوں پر ان کو ۲۰ سال کے اندر اندر دستیاری ہوئی۔ وہ صدیوں کی سر توڑ محنت سے بمشکل ہاتھ آنے والی تھیں۔ ہر ایک نماز نے اس خیال کے اثر کو تازہ کیا۔ اور ہر ایک سجدہ نے نئی روح پھونکی۔ لیکن افسوس موجودہ مسلمانوں کی حالت اس کے برعکس واقع ہوئی ہے۔ ان کے اجداد نے اللہ تعالےٰ کے افضال کو جذب کیا۔ اور انہیں برکات

کا وارث بنایا۔ لیکن انہوں نے نہ صرف ان حاصل کردہ برکات کو ہاتھ سے کھودیا۔ بلکہ نئی برکات کے حصول سے بھی ہمیشہ کے لئے محروم ہوگئے زبان سے توبہ کہتے رہے۔ کہ ایاک نعبد لیکن کبھی بھی ان مقاصد کے حصول کے لئے اس راستہ پر قدم نہ مارا جس پر صحابہ جادہ پیما ہوئے۔ ایاک نستعین تو کہتے رہے۔ لیکن کبھی بھی ان کے دلوں میں وہ سچی تڑپ پیدا نہ ہوئی۔ جو اللہ تعالیٰ کے فضل کو جذب کر سکتی۔ اب اُن کی نمازیں کیا ہیں۔ ایک بے معنی کھیل سے زیادہ کوئی اُن کی حقیقت اور وقعت نہیں رہی۔ اللہ کو رب العالمین بھی جو چاہے پکار لیوے۔ الرحمٰن سے بھی کوئی چاہے۔ اُسے خطاب کر لیوے۔ لیکن کیا کسی کو اب حق حاصل ہے۔ کہ اسے الرحیم کے نام سے مخاطب کرے۔ کہاں ہیں وہ کوششیں جو اللہ تعالیٰ کی نصرت کے مورد ہوں۔ کہاں ہے وہ تڑپ جو اس کے افضال کو آسمان سے کھینچ لاوے +

اے پیارے بھائیو۔ اب بھی کچھ نہیں گیا۔ سنبھل جاؤ۔ وہ دروازے جو صحابہ پر کھلے ہم پر بھی کھُل سکتے ہیں۔ ہم میں وہ سب استعدادیں موجود ہیں۔ جو صحابہ کرام میں پائی جاتی تھیں۔ دروازہ تو تب کھلے۔ جو کوئی دستک دینے کی تکلیف گوارا کرے۔ لیکن حیف کہ اب تم میں کوئی اس قابلیت کا بھی دِکھائی نہیں دیتا +

کیا روح پھونکنے والی دعا ہے۔ کیا امید افزاء الفاظ ہیں۔ لیکن حیرت ہے اس قوم کی پستی پر جن سے اس دعا میں خطاب کیا۔ نہ وہ ارادے رہے۔ نہ وہ ہمت رہی۔ نہ ہی خیالات کی وہ بلندی رہی جو اس زندہ قوم کا شعار تھی۔ ذلت اور پستی۔ سستی اور کاہلی اب ان کا شیوہ ہے۔ لیکن کیا یہ ایسی ہی لاعلاج امراض ہیں۔ کیا اس حالت سے کوئی مفر نہیں۔ مغرب کو تو اس کے گندے فلسفہ اور ارتقاء کے وحشیانہ مسائل نے سچی تہذیب اور اخلاق حسنہ سے دُور پھینک دیا۔ لیکن مسلمانوں کے تنزّل کا سبب ایک تاریک غبار ہے۔ جو ان کے سینوں سے اُٹھا اور اُن کے سامنے پھیل گیا۔

دُعا

اور

اِستجابت دُعا

چند نومسلموں کی اس درخواست پر کہ آیا اسلام میں مسئلہ دعا ہے۔ اور مسلمان دعا کی تاثیر اور استجابت کے قایل ہیں۔ ذیل کا خطبہ لنڈسی ہال لنڈن میں ۲۹ مئی ۱۹۱۴ء کو پڑھا گیا ؂

کھیعص ہ ذکر رحمت ربک عبدہ ذکریا ہ اذ نادی ربہ ندا ءً خفیا ہ قال رب انی وھن العظم منی و اشتعل الراس شیبا ولم اکن بدعائک رب شقیا ہ وانی خفت الموالی من ورائی وکانت امراتی عاقرا فھب لی من لدنک ولیا ہ یرثنی ویرث من ال یعقوب واجعلہ رب رضیا ہ یٰذکریا انا نبشرک بغلام اسمہ یحییٰ لم نجعل لہ من قبل سمیا ہ قال رب انی یکون لی غلام وکانت امراتی عاقرا وقد بلغت من الکبر عتیا ہ

قَالَ كَذٰلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَیَّ هَيِّنٌ وَقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا ٭ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ٭ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰۤى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ٭ يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ؕ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ٭

ہم ان آیات میں ایک مقدس انسان کا تذکرہ پاتے ہیں۔ جو خدا کے حضور ایک ایسے مقصد کے لئے دعا مانگتا ہے۔ جو بظاہر ناممکن ہے۔ اسکی سمجھ میں اسکے مقصد کے پورا ہونے کے لئے ظاہرا کوئی اسباب نظر نہیں آتے۔ لیکن پھر بھی وہ خدا کے حضور حاضر ہو کر چاہتا ہے۔ کہ اس کے مقابلہ کوئی خرق عادت امر ظاہر ہو۔ اور ہم ان آیات میں دیکھتے ہیں۔ کہ اس دعا پر نہ صرف اسے جواب ہی ملا۔ بلکہ دعا پوری بھی ہو گئی۔ پیش از وقت دعا پورا ہونے کی اُسے اطلاع بھی دی گئی۔ اس کا مقصد حاصل کرنے کا راستہ بھی اُسے دکھلایا گیا۔ اور فی الآخر اس کا مقصد پورا ہو گیا ٭

جدید خیال لوگوں کے سامنے مسئلہ دعا و استجابت دعا ایک نہ نگلنے کے قابل گولی ہے۔ دعا کی تاثیر پر اس وقت شک کیا جاتا ہے۔ اور بڑے سے بڑا فایدہ جو دعا سے سمجھا گیا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ دل ہلکا

ہوجاتا ہے۔ غموم وہموم کے وقت انسان کا دل بوجھل ہوتا ہے۔ کہتے ہیں۔ کہ جس وقت کوئی دعا کرتا ہے۔ تو الفاظ دعا ایک دل کے بخارات ہوتے ہیں۔ جونکل کر دل کو ہلکا کر دیتے ہیں۔ اس طرح دل کو ایک ٹھنڈک معلوم ہوتی ہے۔ اور اس کا نام قبولیت دعا رکھ لیا ہے۔ پھر دعا پر یہ بھی اعتراض ہوا ہے۔ کہ دعا سے لوگ اپاہج ہوجاتے ہیں۔ جوں ہی ہم نے خدا پر بھروسہ کیا۔ ہماری تمام ہمت پست ہوجاتی ہے۔ اپنے آپ پر بھروسہ کرنے کی عادت خراب ہوجاتی ہے۔ اور پھر ہم سست ہوجاتے ہیں اور یہ کہتے ہیں۔ کہ ہر ایک چیز اپنی طبعی اسباب کے ماتحت پیدا ہوتی ہے۔ جن چیزوں کو ہونا ہے وہ ہونگی۔ اور جن کو نہیں ہونا ہے کوئی دعا ان کو امکان میں نہیں لاسکتی۔ یہ بعض اعتراضات ہیں جو دعا اور تاثیر دعا پر کئے جاتے ہیں۔ اور ہمارے نزدیک یہ اعتراضات وزنی ہیں۔ دنیا میں دراصل دعا، تاثیر دعا اور وہ اسباب جن کے ماتحت دعا قبول ہوسکتی ہے۔ ان سب کا مفہوم غلط سمجھا گیا ہے۔ اسی لئے دعا موجب اعتراض ہوگئی ہے۔ بہر حال قرآن کریم نے جسطرح اور دقیق مسایل مذہب کو حل کیا ہے۔ مسئلہ دعا پر بھی لطیف روشنی ڈالی ہے ÷

قرآن کریم کی پہلی سورت یعنی سورہ فاتحہ ایک مکمل نمونہ دعا کا ہے

جدید خیال دل کو جو باتیں مسئلہ دعا میں تکلیف دیتی ہیں۔ اُن سب کا حل اس سورہ شریف میں موجود ہے۔ سب سے پہلے ہم ایک ایسے خدا کو مخاطب کرتے جو چیزوں کو پیدا کرنے والا۔ ان کو قایم رکھنے والا۔ ان کی پرورش کرنے والا۔ اور ان کے مضمرہ خواص کو بحد کمال پہنچانے والا۔ یعنی **ربّ العالمین** ہے۔ وہ عدم سے چیزیں پیدا کرتا ہے اور ان اسباب کو پیدا کرتا ہے۔ جن کے ماتحت ایک چیز عدم سے ہستی میں آجاتی ہے۔ اس کے آگے ناممکن بھی ممکن ہے۔ لفظ ناممکن بہرحال ایک اضافی لفظ ہے۔ جن چیزوں کے پیدا کرنے کے اسباب ہمیں معلوم نہیں ہوتے۔ اُنہی کو ہم ناممکن کہہ دیتے ہیں لیکن جوں جوں ہم اپنے علوم میں ترقی کرتے ہیں۔ ہمارے نئے تجارب۔ نئے معلومات۔ ہمارے سابقہ آرا کی تردید کرکے ہمارے کل کے ناممکن کو آج ممکن کر دیتے ہیں۔ دراصل ہم نے اپنی ناواقفیّت و جہالت کا نام ناممکن رکھا ہوا ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک وہی چیز ناممکن ہے۔ جس کے ممکن کرنے کے اسباب ہمیں سمجھ نہیں آتے۔ لہذا مسلمان جس خدا کو اپنی دعا میں مخاطب کرتا ہے۔ وہ خالق الاسباب خدا ہے۔ اس سے مقصد مطلوبہ کے لئے خلق اسباب کی خاطر دعا کرتا ہے۔ اور عرض کرتا ہے۔ کہ مجھ پر وہ اسباب ظاہر کر دے۔ لیکن اس سورہ فاتحہ میں ایک مسلم کو سمجھا دیا

گیا ہے۔ کہ جس خدا کو تم اس طرح خطاب کرتے ہو۔ وہ رحمٰن اور رحیم بھی ہے۔ یعنی رحمٰن وہ خدا ہے۔ جو ہماری ضروریات کے دور کرنے کے لئے ان چیزوں کو پیدا کر دیتا ہے۔ جن کو ہم خود پیدا نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن بحیثیت رحیم وہ آگے ہمارا مقصد اُسی وقت پورا کریگا جبکہ ہم ان چیزوں کو صحیح طور پر استعمال کریں گے۔ جو بحیثیت رحمٰن اس نے پیدا کی ہیں۔ یہ دو صفات الٰہیہ یعنی **رحمانیت و رحیمیت** ہم صحیفہ قدرت کے ہر ایک صفحہ میں دیکھتے ہیں۔ ہر ایک چیز جس سے کوئی چیز بن سکتی ہے۔ وہ چاروں طرف موجود ہے۔ لیکن وہ ہمارے لئے مفید نہیں ہو سکتی۔ جب تک ہم پہلا قدم اس چیز کی طرف خود نہ اُٹھائیں۔ ہمارے ایک قدم اُٹھانے پر صحیفہ قدرت میں ایک تحریک پیدا ہو جاتی ہے۔ اور عجیب و غریب نتائج مرتب ہوتے ہیں۔ ہم ایک کام کرتے ہیں۔ اور ہمارا معاوضہ ہزار گنا ہوتا ہے۔ ایک غلہ کا دانہ پیدا کرنے کے لئے قدرت کے سارے مظاہر ہمارے ساتھ مل کر کام کرتے ہیں۔ زمین۔ کرۂ ہوائی۔ نظام شمسی سب مل کر ہماری مدد کریں۔ تو ہم ایک دانہ کاٹنے کے قابل ہوتے ہیں۔ لیکن یہ سب کے سب کوئی کام نہیں کرتے۔ بلکہ ان سب کی قوتیں کالعدم رہتی ہیں۔ لیکن جوں ہی ہم نے ہاتھ ہلائے۔ جوں ہی ہم نے ہل جوت کر زمین کو کھودا۔ اور دانہ ڈالا۔

عمل کی کل مظاہر قدرت گویا نیند سے جاگ پڑتے ہیں۔ اس ظاہرہ تغافل شعاری کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اور ہر ایک ذرہ کائنات کا اپنے مفوضہ کام کو کرنے لگ جاتا ہے +

اسلامی دعا قوت عمل پیدا کرتی ہے

ہاں ہمارا خدا رحمٰن ضرور ہے۔ وہ ہماری ضروریات کے دفعیہ کے اسباب ضرور پیدا کر دیتا ہے۔ لیکن وہ رحیم بھی ہے۔ اس لئے اس کی پیدا کردہ چیزیں ہمیں اسی وقت مفید پڑینگی۔ جب ہم خود ہاتھ ہلائیں۔ یہ ایک صداقت ہے۔ جس کو خدا کا کلام اور اس کا کام یعنی قرآن کریم اور صحیفہ قدرت ثابت کرتے ہیں۔ اگر خدا کی سنن لاتبدیل ہیں۔ اور یہ امر ہمیں قرآن کریم سکھلاتا ہے۔ اور اگر خدا کے قانون ان ٹل ہیں۔ تو رحمٰن اور رحیم کو دعا میں مخاطب کرنا ہی ہم میں قوت عمل کے لئے برقی طاقت پیدا کر دیتا ہے۔ مسلمانوں کو یہ دعا نہیں سکھلائی گئی۔ "کہ[1] ہمیں آج کے دن کی روٹی دے" بلکہ ہمیں سکھلایا گیا ہے۔ اھدنا الصراط المستقیم ہمیں سیدھا راستہ سکھلاؤ۔ جس سے ہم روٹی کما سکیں۔ یہاں تک ہی نہیں۔ بلکہ اس دعا کے مانگنے سے پہلے ہمیں خدا کی جناب میں ایک اور اقبال کرنا پڑتا ہے۔ ایاک نعبد

---

[1] عیسائی جو علی الصباح دعا کرتے ہیں۔ جو مسیح کی سکھائی ہوئی دعا ہے۔ اس میں مذکورہ بالا فقرہ آتا ہے یعنی ہمیں آج کے دن کی روٹی دے +

یعنی ہم یہ عرض کرتے ہیں۔ کہ اے خدا! ہم ان تیرے تمام قوانین پر جو ہمیں معلوم تھے۔ چلے ہیں۔ جو ذرائع ہمارے پاس تھے۔ وہ سب استعمال کر چکے ہیں۔ اور اس طرح تیری اطاعت کرکے ہم تیرے پاس اعانت کے لئے آئے ہیں۔ عیسائیوں کو جو دعا سکھلائی گئی ہے۔ وہ ممکن ہے۔ کہ غفلت و اپاہج پن پیدا کر سکے۔ مگر مسلمانوں کی دعا اس عزم و استقامت کو ظاہر کرتی ہے۔ جس کے ماتحت دعا مانگنے والا خدا کی ہدایت تلے اپنے کام کو جاری رکھنا چاہتا ہے۔ اپنی تمام قوتوں کو استعمال کرنے کے بعد ایک مسلمان جناب باری سے آئندہ ہدایت کا ملتجی ہوتا ہے۔ ایک کام کو کرنے کے لئے بیسیوں راہیں ہیں مشکل و دراز کار۔ لیکن ایک مسلم خدا سے التجا کرتا ہے۔ کہ اسے آسان سے آسان اور سہل طریق اور سیدھے سے سیدھا یعنی صراط المستقیم دکھلا۔ گویا مسلم تو مایوسی کو جانتا ہی نہیں۔ لفظ ناممکن اس کے راہ میں نہیں۔ ایک مسلم کا فرض ہے۔ کہ کام کرنے میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑے۔ ہاں اگر اسپر بھی اس کا مقصد حاصل نہ ہو۔ اور وہ مشکل پیش آمدہ کے طے کرنے کا راستہ نہ جانتا ہو۔ تو پھر بھی مایوس نہ ہو۔ بلکہ خدا کی جناب میں عرض کرے۔ اھدنا الصراط المستقیم۔ یعنی ہمیں سیدھا راستہ بتلا۔

مذہب اسلام ترقی کا شاہ راہ ہے

لوگ کہتے ہیں۔ کہ اسلام مانع ترقی ہے۔ یہ لوگ یا تو اسلام سے ناواقف ہیں۔ یا ترقی کے راہوں سے ناآشنا۔ کیا ترقی کا یہی ایک شاہراہ نہیں ہے کہ جب مشکلات کا سامنا ہو۔ جب کوئی امر بظاہر ناممکن نظر آئے۔ جب ایک انسان اپنی ساری امکانی کوششیں کر چکے۔ تو پھر کسی نئے اور نامعلوم راستہ کی تلاش میں لگ جائے۔ جس پر چل کر وہ حل مشکلات کا راستہ پائے۔ کیا ہم اس بات کا اعادہ نہیں کرتے۔ جب ہم کہتے ہیں ایاک نعبد وایاک نستعین۔ اسلام میں عبادت کے تو معنی ہی قوانین الہیہ کی اطاعت ہے۔ ہم اپنے خدا کو اپنی نمازیں یہی کہتے ہیں کہ ہم نے حتی الوسع ہر طرح کوشش کی ہے۔ جو کچھ ہمارے بس میں تھا ہم کر گزرے ہیں۔ اور اب ہماری آخری کوشش یہی ایک ہے۔ کہ تجھ سے آکر استعانت کریں۔ اب اگر دنیا میں تمام بڑی سے بڑی ایجادات اور معلومات کا موجب صرف وہ نہ بجھنے والی پیاس واقع ہوئی ہے جو انسان نئے امور کے دریافت کرنے کے لئے ہر وقت محسوس کرتا ہے۔ تو پھر اس پیاس کا اظہار ہم خدا کی جناب میں اپنی پانچ وقتہ نمازیں میں کیا کرتے ہیں۔ جب ہم اھدنا الصراط المستقیم کہتے ہیں۔ یہ دعا کس طرح کسی انسان میں سستی تغافل

شعاری یا اپاہج پن پیدا کر سکتی ہے۔ مسلم کی دعا تو ہدایت کی طلب۔ روشنی
کی خواہش اور کارزار دنیا میں آئندہ اور مضبوط قدم بڑھانے کا اظہار ہے
یہ دعا تو ہر قسم کی یاس اور نا امیدی کی بیخ کنی کرتی ہے۔ جب ہمارے
کل ذرائع ختم ہو جاتے ہیں۔ اور ناکامیابی ہمیں سامنے سے گھورنے لگتی
ہے۔ تو کوئی اور تو ہمت ہار کر ہاتھ کے کام کو چھوڑ دے۔ لیکن مسلم تو
ایسا نہیں کر سکتا۔ اُسے تو اُس مصیبت پر غالب آنا ہے۔ اُسے تو تمام
معلومہ چارہ چھوڑ کر کسی نئے چارہ کی تلاش کرنی ہے۔ وہ تو خدا کے
پاس جاتا ہے۔ کہ جن راہوں کو اس وقت تک وہ استعمال نہیں کر سکا۔
یا اُس کو معلوم نہ تھے۔ وہ اُسے معلوم ہو جائیں۔ وہ تو قوانین الہیہ کے
ساتھ ہم آہنگ ہونا چاہتا ہے۔ جو قوانین اُسے معلوم ہیں۔ اُن سے
ہم آہنگ وہ ہو چکا ہے۔ ہاں نامعلوم قوانین کی تلاش میں وہ لگا ہوا
ہے۔ جن کو معلوم کر کے وہ دنیا میں اعجاز دکھلا سکتا ہے۔ مگر یہ مسلم کی
دُعا ہے۔ تو بتلاؤ کہ یہ دعا ایک طاقت اور سرچشمہ امید نہیں ہاں دُعا
ظاہر طور کی غیر ممکنات کو دور کر سکتی ہے۔ کیا وہ جو گذشتہ ایام میں معجز
نظر آتے ہیں۔ آج وہ روزمرہ کے واقعات نہیں۔ ہاں علم اور تربیت
ہی ان امور کے حصول کی کلید ہے۔ اور یہی بات ہم اپنی پانچ وقتہ نماز
میں خدا سے مانگتے ہیں۔ جب ہم اھدنا الصراط المستقیم کہتے ہیں؟

دُعا کی قبولیت کے شرایط

الف۔ عبودیت

جو آیات آج کے خطبہ کے لئے انتخاب ہوئی ہیں۔ ان سے بھی ہمیں یہی سبق ملتا ہے۔ ان آیات میں ایک ضعیف مایوس الحال ایک بیٹے کی خواہش کرتا ہے۔ پھر ان آیات میں انسان ان شرایط کا ذکر دیکھتے ہیں پھر ان میں ہم ان شرایط کو پاتے ہیں جن کے ماتحت ہم قبولیت دُعا کی امید رکھ سکتے ہیں۔ ان آیات کے پہلے الفاظ ہی دراصل استجابت دُعا کی کلید ہے۔ ذکر رحمۃ ربک عبدہٗ ذکریا۔ اس رحمت کا ذکر ہے۔ جو تیرے رب نے اپنے بندے ذکریا پر کی +

اس آیت میں دو لفظ **عبد** اور **رب** نہایت ہی غور طلب الفاظ ہیں۔ لفظ رب کے معنے صحیح قدرت میں چیزوں کے پیدا کرنے والا ان کو قایم رکھنے والا۔ ان کے قیام کے لئے ان کی پرورش کرنے والا پھر اُن کے جوہروں کو کمالیت تک پہنچانے والا۔ ان اغراض ربوبیت کے لئے اُس نے بعض قوانین بنا رکھے ہیں۔ جن پر عمل پیرا ہونے سے اس اس قسم کے نتائج پیدا ہو سکتے ہیں۔ جو نہ کسی نے نہ دیکھے نہ کسی کے وہم میں آئے۔ رب کے مقابل عبد و انسان ہے جو انہیں

قوانین کامل اطاعت کرتا ہے - اسی کا نام عبادت یا عبودیت ہے - لہذا رب کی رحمت ان اسباب کے پیدا کرنے میں کہ جن کے بہم پہنچنے پر بظاہر ناممکن چیزیں بھی ممکن ہو جاتی ہیں - اسی انسان پر وارد ہوتی ہے - جو ہر وقت قوانین الہیہ کی اطاعت کرنے کے لئے تیار رہتا ہے - کیا سائنٹفک تحقیقات کے ماتحت آج وہ چیزیں ظاہر نہیں ہو رہیں - جن کو معجزہ کہا جا سکتا ہے - لیکن ایک سائنس دان تخلیق اشیاء نہیں کرتا - وہ ان قوانین کو دریافت کرتا ہے - جو پہلے سے موجود ہیں - لیکن جن کے ماتحت مختلف ذرات عالم - مختلف نتائج پیدا کر دیتی ہیں - ایک مسلمان اپنی دعا میں اللہ تعالےٰ سے انہی قوانین کا الہام چاہتا ہے - اور ساتھ ہی ارادہ کرتا ہے - کہ میں ان قوانین کی اطاعت کروں گا - پھر کیا وجہ ہے - کہ ایسا شخص اپنی دعا سے ظاہرا ان ہونی چیزیں بھی وقوع میں لے آئے - لہذا پہلی شرط مقبولیت دعا کی اطاعت قوانین کی آمادگی ہے - یعنی عبودیت الہیٰ +

ب - عجز و انکسار

مذکورہ بالا آیت کے بعد کی آیت میں دوسری شرط کا ذکر کیا گیا ہے

إذ نادىٰ ربّه نداءً خفيًّا

جب ذکریا نے نہایت ہی ہلکی آواز میں اپنے رب کو پکارا

ہمارے جسم کی مختلف حرکات وسکنات ۔ ہماری آواز کے زیر وبم صرف ہماری دلی کیفیت کا اظہار ہوتا ہے ۔ ایک بلند آواز اور کڑک میں غصہ وغرور وبغض وغیرہ کا اظہار ہوتا ہے ۔ ایک بشاش چہرہ انبساط کو ظاہر کرتا ہے ۔ ایک ہلکی اور نرم آواز دل کے عجز اور روح کے انکسار کو ظاہر کرتی ہے ۔ ذکریا کا اپنی دعا میں ندآ خفیاً یعنی ایسی آواز میں خدا کو مخاطب کرنا ۔ کہ دوسرا آواز کو نہ سن سکے ۔ ایک عجز وانکسار کو ظاہر کرتا ہے ۔ اگر جسم کے مختلف حرکات وسکنات ہماری مختلف دلی کیفیات کا اظہار ہوسکتے ہیں ۔ اور خدا کے آگے عبادت میں عجز وانکسار ایک ضروری امر ہے ۔ تو اسلامی نماز کا سجدہ تمام دنیا جہان کی نمازوں کے مقابل اظہار عجز وانکسار میں بڑھ جاتا ہے ؎

ج ۔ اقرار بے چارگی

قبولیت دعا کی تیسری شرط خدا کی جناب میں اس بات کا اقرار کرنا ہے ۔ کہ دعا مانگنے والا مطلوبہ مقصد کے حصول میں اب کوئی راہ نہیں پاتا ۔ اس شرط کو اگلی آیت بیان کرتی ہے ؎

رب انی وھن العظم منی واشتعل الراس شیبا الخ

اے رب میری ہڈیاں تک کمزور ہوگئیں ۔ اور میرے سر کی بال کی سفیدی

کبھی چمک رہی ہے۔ .... اور میں خود بڈھا ہوں۔

اور میرے قواء کمزور ہیں۔ میری بی بی بھی بانجھ ہے ....

اب یہ کامل اعتراف خدا کی جناب میں مایوس الاولاد ہونے کا ہے لیکن کسی امر کے حصول میں ہم اپنی اس قسم کی مایوسی صحیح طور پر اسی وقت ظاہر کر سکتے ہیں۔ جب ہم نے اپنی کل طاقت کو خرچ کر دیا۔ جو جو اسباب ہمارے علم و طاقت میں تھے۔ وہ سب برت لئے ہیں اپنے عمل و کوشش کے ذریعے خدا تعالیٰ کو یہ دکھلانا ہے کہ اس وقت ہم بے چارہ ہو گئے ہیں۔ یعنی ہم کو تو اپنی طرف سے جو کرنا تھا۔ وہ کر لیا۔ اور ہم سے کچھ نہ بنا۔ اب تو ہی رستہ دکھلا۔ جب تک ہماری کوششیں حصول امر میں اس حد بے چارگی کو نہ پہنچ جائیں۔ ہمارا حق ہی نہیں۔ کہ مقبولیت دعا کی توقع رکھیں۔

د۔ شکر و امتنان

چوتھی شرط مقبولیت دعا کے لئے خدا کی جناب میں اس کے سابقہ عطیات کا شکریہ ادا کرنا ہے۔ چنانچہ اگلی ہی آیت میں اس کا ذکر ہے۔

ولم اکن بدعائک رب شقیا!

میرے رب میں نے تو کبھی بھی دعا تجھ سے نہیں مانگی۔ جو منظور نہ ہوئی ہو۔

جناب ذکریا عرض کرتے ہیں - کہ مَیں ہمیشہ ہدایت اسباب کے لئے دعا مانگتا ہوں - اور میری ہمیشہ ہی دعا قبول ہوتی ہے - خدا کا شکریہ لفظی شکریہ نہیں ہونا چاہیئے - نہ خدا اس بات کا محتاج ہے - کہ اُس کے شکریہ میں انسان کی زبان پر الفاظ جاری ہوں - وہ غنی اور حمید ہے - ہماری حمد و ثنا سے بہت ارفع ہے - کسی محسن کا حقیقی شکریہ یہ ہے - کہ اس کے عطیات کو انسان ٹھیک طور پر استعمال کرے - کسی کی بے عزتی اس سے بڑھ کے متصوّر نہیں ہوسکتی - کہ اُس کی دی ہوئی چیز کی قدر نہ کی جائے +

اگر قبولیت دعا کے لئے گذشتہ احسانات اور عطیات الٰہیہ کے متعلق اظہار شکر ضروری ہے - تو پھر اس فرض سے ہم کہاں عہدہ برا ہو سکتے ہیں - اگر ہم نے اس کی دی ہوئی نعمتوں اور اس کے پیدا کردہ اسباب معلومہ کو ہم نے ٹھیک طور پر استعمال ہی نہیں کیا - اگر ہم نے اپنی غفلت اور سستی سے اس کی عطیات کا ٹھیک طور پر استعمال ہی نہیں کیا - تو ہمارا یہ طرز عمل پرلے درجے کی گستاخی ہے لہذا اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کی شکرگذاری وہی انسان کرتا ہے - جو اس کی نعماء کی قدر کرتا ہے - اور جہاں تک اس کے بس میں ہے - اُن کو پورے طور سے استعمال کرلیتا ہے - اس لئے اگر دُعا کی مقبولیت

کے لئے سابقہ فضلوں کی شکر گذاری ضروری ہے۔ اور شکر گذاری کے معنی
ان کا صحیح اور کامل استعمال ہے۔ تو پھر کس طرح ایک انسان اپنی دعا
کی مقبولیت پر بھروسہ کرے۔ اگر اُس نے عطیات الٰہی کو پورے طور
پر استعمال نہیں کیا۔ اسی ایک امر پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔
کہ جس دعا کی طرف اسلام لے جانا چاہتا ہے۔ وہ دعا بذات خود کس قدر
انسان میں کام کرنے کی طاقت پیدا کر دیتی ہے۔ اور کس قدر غفلت
شعاری کی قاتل ہے +

۸۔ خلوص نیّت

یہ شرط سب شرطوں سے زیادہ ضروری ہے۔ ہمیں خدا کی جناب میں
کسی غرض کے حاصل کرنے کے لئے یہ اقرار کرنا ہے۔ کہ جو چیز ہم
مانگتے ہیں۔ اس میں ہم صحت نیت رکھتے ہیں۔ جو چیز خدا سے مانگو
اس کا وہ پہلو اپنی دعا میں خدا کے آگے پیش کرو۔ جو اس کی نگاہ میں
نہایت ہی پسندیدہ ہو۔ یہی اسلوب ذکریا نے اختیار کیا۔ جس کا
کہ اگلی آیت میں ذکر کیا گیا +

وانی خفت الموالی من ورائی وکانت امرأتی عاقراً
فھب لی من لدنک ولیاً یرثنی ویرث من آل یعقوب
وجعلہ رب رضیا ۔ میں اپنے رشتہ داروں سے ڈرتا ہوں۔

جو میرے بعد رہتے ہیں (مبادا!) وہ رب اسرائیل کی عبودیت کو چھوڑ دیں ......

اس لئے تم آپ اپنی جناب سے ہی مجھے بچہ عطا کریں۔ جو نبوت کے امر میں میرا وارث ہو

اور آل یعقوب کا وارث ہو۔ اور اسے رب اُسے اپنا پسندیدہ بنا۔

وجعلہ رب رضیا۔ یہ الفاظ کل دُعا کی مقبولیت کی کلید ہیں یعنی ہم خدا سے کوئی چیز مانگ ہی نہیں سکتے۔ جب تک کہ وہ چیز خدا کی پسندیدہ نہ ہو۔ ایک چور اپنی سارکانہ مہمات کی کامیابی کی دُعا مانگ سکتا ہے۔ لیکن اس دُعا کا مقصد تو خدا کو پسندیدہ نہیں ہو سکتا۔ یاد رکھو۔ خدا کو پسندیدہ وہی فعل ہے۔ جو فعل تمہارا ہے۔ مخلوق الہی کے فایدے میں ہے۔ آنحضرت صلعم سے کسی نے اسلام کی تعریف پوچھی۔ آپ نے فرمایا۔ تعظیم لامر اللہ وشفقت لخلق اللہ۔ اسلام کیا ہے اللہ تعالیٰ کے احکام کی عزت کرنی اور اس کا مقصد یہ ہے۔ کہ مخلوق الہی کو فایدہ پہنچے۔ جناب زکریاؑ اگر ایک بچے کی خواہش کرتے ہیں۔ تو اس لئے نہیں۔ کہ وہ بچہ عصائے پیری ہو۔ وہ ضعیف ہیں۔ اس لئے وہ ان کی مدد کرے۔ نہیں یہ دعا نہیں۔ اس بات کو ان کا کوئی اور عزیز بھی ادا کر سکتا ہے۔ وہ تو اس غرض کے قیام و اجرا کے لئے ایک بچہ کی درخواست کرتے ہیں۔ جس کے لئے یعقوب اور اس کی اولاد دنیا میں پیدا ہوئی۔ یعنی نبوت۔ جس سے مخلوق الہی کو بڑا نفع

پہنچتا ہے ؛

و۔ طلب ہدایت

چھٹی شرط ایک مسلم کی دعا میں طلب ہدایت ہے۔ یعنی ایک مسلم خدا سے دعا مانگتا ہے۔ کہ مجھ کو کوئی راستہ بتلا۔ چنانچہ یہ امر ذکریا کے الفاظ ذیل سے ظاہر ہوتے ہیں ؛

رب جعل لی آیۃ۔ اب مجھ کو نشان دکھلا۔

یعنی اے میرے مولا۔ تو نے جو مجھ سے وعدہ کر دیا ہے۔ کہ تو مجھے بچہ عطا کرے گا۔ اور میں تو بوڑھا ہوں۔ اب مجھے وہ راستے بھی دکھلا۔ اس آیت سے پہلے اور پچھلی آیت بعد قرآن نے ذکر کیا ہے۔ کہ خدا تعالےٰ نے جناب ذکریا کی دعا سن لی۔ اور بچہ کی خوشخبری ہیں عطا کی۔ اس خوشخبری کو سننے پر پھر جناب ذکریا خوش نہیں ہوئے بلکہ اب خدا تعالےٰ کی جناب میں عرض کرتے ہیں۔ کہ دعا تو مقبول ہو چکی۔ لیکن اس غرض کے حاصل کرنے کے لیئے جو کام مجھے کرنا ہے۔ وہ مجھے بتلایا جائے ؛

ز۔ ہدایت پر عمل کرنا

قال آیتک ان لا تکلم الناس ثلاث لیال سویا۔

فخرج علی قومہ من المحراب فاوحی الیھم ان سبحو بکرۃ وعشیا

بکیرہ عشیا

تیری لئے نشانی یہ ہے۔کہ تین دن سات برابر کسی سے بات نہ کیجیو۔اس پر جناب ذکریا محراب سے نکلے۔اور قوم کی طرف آئے۔اور ان سب کو اشارہ کیا۔کہ وہ خدا کی عبادت میں لگ جائیں ✦

جناب ذکریا کو خدا تعالےٰ نے ایک راستہ دکھلا دیا۔کہ جس سے خوابیدہ قوتیں جاگ اُٹھتی ہیں۔آپ کو ذکر اور فکر کی طرف ہدایت کی گئی۔خدا کی صفات پر تفکر کرنا نعماء کی قدر دانی کرنا انسانوں سے کچھ وقت کے لئے الگ ہو بیٹھنا۔اپنی زبان کو بند رکھنا۔اور دھیان میں لگے رہنا۔صاحب تجارت کے نزدیک مردہ قوتوں کو زندہ کرنے میں کامل اثر رکھتا ہے۔خدا کی کتاب یعنی قرآن نے ان تمام طاقتوں کو بالفعل کرنے کے قوانین لکھے ہوئے ہیں۔جو ہم میں مخفی ہیں۔جوگ بھاس اور ایسا ہی اور مروجہ علوم باطنیہ میں باطنی قوتوں کے نشو و نما دینے کے لئے طرح طرح کے قواعد لکھے ہوئے ہیں۔ لیکن یہ قواعد بہت ہی کٹھن اور دُور از کار ہیں۔قرآن نے بہت آسان راستے اس کے لئے بھی سکھلائے ہیں۔لیکن یہ مضمون ہمارے مقصد سے بہت اجنبی ہے۔اس لئے ہم اس کو زیر بحث نہیں لاتے ✦

یہ ہیں وہ سات شرائط یعنی عبودیت ۔ انکسار ۔ اظہار بے چارگی شکرگذاری ۔ خلوص نیت ۔ طلب ہدایت ۔ اور ہدایت پر عمل کرنا ۔ یہ سات باتیں جس دعا کرنے والے میں موجود ہوں ۔ اس کی دعا استجابت سے خالی نہیں رہتی +

مقبولیت دعا کی خوشخبری

ان آیات میں ایک بات نہایت ہی دلچسپ اور عجیب و غریب ہے ۔ جناب ذکریا دُعا کرتے ہیں ۔ دُعا قبول ہوتی ہے ۔ یعنی بچّہ پیدا ہو جاتا ہے لیکن پیش از وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اطلاع ملتی ہے ۔ کہ دعا سُنی گئی ۔ یہ پیش از وقت اطلاع ہی ہماری ایمانی طاقت کا موجب ہو جاتی ہے ۔ ہمارے ایمان کو مضبوط کرتی ہے ۔ خدا پر ہمارے بھروسہ کو بڑھاتی ہے ۔ اگر یہ نہ ہو تو استجابت دعا کا دنیا میں کوئی ثبوت نہیں ۔ ہم ایک امر کے لئے دعا کریں ۔ ممکن ہے ۔ وہ امر بھی حاصل ہو جائے ۔ لیکن یہ اس امر کا ثبوت نہیں ۔ کہ خدا نے ہماری دعا بھی سُن لی ۔ دنیا میں بسا اوقات واقعات قدرتاً طبعی اسباب کے ماتحت ہو جاتے ہیں ۔ خواہ ہم دعا کریں یا نہ کریں ۔ امور اپنے طبعی حالات کے ماتحت ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں ۔ رہا یہ کہ اُن کے متعلق ہم نے

کوئی دعا کی تھی۔ اور وہ کوئی دعا سُنی گئی ہوگی۔ اس کا ثبوت اس صورت میں ہو سکتا ہے۔ جب امر دُعا کردہ کے وقوع میں آنے سے پہلے ہم کو خدا کی جناب سے اطلاع مل جائے۔ کہ ہماری دعا سُنی گئی۔ خدا کی طرف سے یہ جواب کسی مشہود محسوس طریق پر ہمیں ملنا چاہئے۔ اور اگر یہ نہیں۔ تو ہمارے خدا اور ایک دیوار میں کوئی فرق نہیں۔ کیا توراۃ میں ہم خدا کو اپنے بندوں سے بولتا نہیں دیکھتے۔ کیا اُن کی دعائیں سن کر وہ جواب نہیں دیتا تھا۔ ہاں وہ ضرور دیتا تھا۔ تو پھر صفات الہیہ کا تو تعطل لازم نہیں۔ وہ اب بھی بولنا چاہیے۔ ہماری دعاؤں کو سن کر وہ اب بھی جواب دے۔ یہ بالکل صحیح ہے۔ کہ ہم سب کے سب ان راہوں سے واقف نہ ہوں۔ اور ان پر نہ چل سکینگے۔ جن کے ماتحت ایک انسان مکالمہ الہیہ کا شرف پاتا ہے۔ لیکن ہم میں کوئی تو ہونا چاہئے۔ مسیحی کلیسیا پر اوائل ایام میں ایک وقت گذرا۔ جب وہاں ایسے لوگ تھے۔ لیکن آج چونکہ ایسے تجربہ والے کالعدم ہو رہے ہیں۔ اس لئے انہوں نے اس بات سے انکار ہی کر دیا۔ بالمقابل اسلام ہمیں تشفی دلاتا ہے۔ کہ یہ بات بالکل ممکن ہے۔ اسلام وہ راستے بھی دکھلاتا ہے۔ کہ جن پر چل کر انسان اللہ تعالیٰ کے الہام کا مورد بن جائے +

تصوّف

چند ممبران تھیوسافیکل سوسائٹی کی استدعا پر یہ لیکچر مقام نوکسٹن ۱۳۔دسمبر ۱۹۱۳ء کو دیا گیا۔

خدا کے ساتھ متحد ہونا یا اسی زندگی میں واصل بحق ہونا عموماً ہر ایک انسان کی خواہش ہوا کرتی ہے۔ دراصل یہ وہ شریف خواہش ہے۔ جو ہر جگہ ہر زمانہ میں قدیم الایام سے مختلف شکلوں اور لباسوں میں ظاہر ہوئی ہے۔ یہ ایک ربانی جذبہ انسان میں ہے۔ جس کو مذہب پیدا کرتا اور اُس کی آبیاری کرتا ہے۔ کہتے ہیں۔ کہ انسان خدا کی شکل پر پیدا کیا گیا۔ انسان میں ربانی صفات کے جوہر ہیں۔ اور اُس کا بڑا مقصد زندگی انہی جوہروں کو اُبھارنا اور نشوونما دینا ہے۔ لیکن بہت سی باتیں اس مقصد کے حاصل کرنے میں روک ہو جاتی ہیں۔ ہم میں طرح طرح کے جذبات ہیں قسما قسم کے تقاضے ہمیں لاحق ہیں۔ جسمانی۔ ذہنی حِسّی۔ جذباتی مختلف قوتیں ہم میں ہیں۔ جو ہم میں مختلف قسم کی خصایل پیدا کر دیتی ہیں۔ یہ جذبات اور تقاضے ایک دوسرے کے

متضاد بھی ہیں۔ لیکن انہی متضاد قوتوں کو ہم آہنگی بڑے بڑے نتائج پیدا کردیتی ہے۔ یہ ایک صداقت ہے۔ جس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ کائنات کا ذرّہ ذرّہ اس پر شاہد ہے۔ کیا مختلف الخواص اشیاء ترکیب پاکر بہترین نتائج مرتب نہیں کرتیں۔ جس کا تجربہ علم کیمیائی میں ہم ہر روز دیکھتے ہیں۔ اگر کائنات میں یہ ہو رہا ہے۔ تو پھر ارتقا انسانیت میں یہ کیوں ناممکن ہے۔ ہاں یہ سوال بڑا مشکل سا ہے۔ اور اس کا حل خدا کی نصرت کے سواء ناممکن ہے۔ بسا اوقات ہم کسی خاص قوت کی آبیاری کرتے ہیں۔ اور دوسری قوتوں کا خیال تک نہیں کرتے۔ جو آخر زایل ہوجاتی ہیں۔ اگر دنیا عیش و عشرت کے متوالوں سے خالی نہیں۔ تو دنیا راہبوں اور تارکوں سے بھی معمور ہے اگر اچھا کھانا اور پینا اور تعیشیات زندگی روحانی قواء کو مار ڈالتے ہیں۔ تو پھر راہبانہ زندگی اور ترکِ دنیا بھی اگرچہ روحانی قواء کے لئے ایک حد تک مفید ہے۔ قوائے عقلیہ مضمحل اور ذہنی طاقتوں کو ہلاک کردیتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ راہبانہ ریاضتیں بعض مخفی طاقتوں کو جلا دیتی ہیں۔ ایسی ریاضت والے بعض اعجازی باتیں بھی کر گذرتے ہیں۔ لیکن یہ لوگ اصلی مقصد زندگی اور اصل مقصد روح کو گنوا بیٹھتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے ہمعصروں پر ایک قسم

کا بوجھ ہو جاتے ہیں۔ ہم مدنی بالطبع واقع ہوئے ہیں۔ ہمیں اللہ تعالیٰ
نے مختلف قوتیں بخشی ہیں۔ ہم ایک دوسرے کے عضو و مددگار ہیں
اور ایک دوسرے کی خدمت میں ہمیں ان قوتوں کا استعمال کرنا
ہے۔ لیکن ایک راہب ایک تارک الدنیا گویا سوسائٹی کی طرف سے
مر چکا ہے۔ اور اس کے دل و دماغ میں یہ اشرف فرائض جگہ نہیں
پاتے۔ اس سے بھی زیادہ یہ قبیح امر ہے۔ کہ بعض وقت ایسے تارک
الدنیا نہایت ہی ناقابلِ عفو حرکات کر گذرتے ہیں۔ چونکہ ریاضیات
شاقہ کے لئے یہ دُنیا سے الگ ہو جاتے ہیں۔ اور تنہائی میں اپنا وقت
گذارتے ہیں۔ اس لئے اُن کے بعض اخلاق جو سوسائٹی میں ہی
رہنے سے تربیت پاتے ہیں۔ ناتراشیدہ حالت میں رہتے ہیں۔ بعض
وقت اُن سے اخلاقی نقائص سرزد ہو جاتے ہیں۔ اس قسم کی ریاضتو
والے جب ہمارے سامنے آ کر بعض اعجازی افعال کر گذرتے ہیں
اور ساتھ ہی ساتھ کچھ پرہیزگارانہ رنگ بھی ظاہر کرتے ہیں۔ تو ہم
اُنہیں ایک خدا رسیدہ انسان سمجھ لیتے ہیں۔ ہندوستان میں بعض
ایسے انسان دیکھے اور سنے گئے ہیں۔ جو حیرت ناک طریق پر دلوں
کی باتیں دریافت کر لیتے ہیں۔ مرضوں کا علاج بھی توجہ سے کر دیتے ہیں
لیکن اُنہی میں سے بہت لوگ بہت گندے چال و چلن کے واقع

ہوئے ہیں۔ یہاں بھی بعض ایسے لوگ موجود ہیں۔ جو سپر چولسٹ کہلاتے ہیں۔ اور ایام وسطےٰ میں تو یورپ کو کلیساؤں اور خانقاہوں میں ان لوگوں کا دردناک تجربہ ہوا۔ اب بظاہر یہ ایک ناقابل حل امر نظر آتا ہے۔ ایک طرف عجیب و غریب کام کرنے اور دوسری طرف گندے اخلاق کا ظہور ہونا۔ لیکن اس کی تہ کو پہنچنا کوئی مشکل امر نہیں۔ ہم میں نہایت ہی عجیب و غریب طاقتیں ہیں۔ بعض وقت ہم بعض طاقتوں کی تربیت کرتے ہیں۔ اور دوسری طاقتوں کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ اس لئے بعض باتیں ہم میں اعجازی پیدا ہو جاتی ہیں اگر حقیقی معنی سے ایک صاحب کمال انسان بد اخلاق ہو سکتا ہے۔ ایک تارک الدنیا شخص کے اخلاق سوسائٹی سے باہر رہنے کے باعث اصلاح یافتہ نہیں ہیں۔ اس کے لئے یہ ناممکن ہے کہ عجیب کی باتیں پڑھنے پر بھی وہ بدچلن واقع ہو۔ ترک دنیا اپنے خاص حدود میں قوائے روحانی کے ترقی دینے کے لئے از حد مفید ہے کوئی روحانی قوت جسمانی فطرت کو لگام دینے کے سوا ترقی نہیں پا سکتی۔ لیکن تم اپنی جسمانی خواہشوں کو ذبح نہیں کر سکتے۔ جو لوگ ان جسمانی خواہشوں کو اعتدال سے زیادہ دبانا چاہتے ہیں۔ وہ ایک وقت تو کامیاب ہوتے ہیں۔ لیکن تحریکات کے ماتحت جب یہ جسمانی جذبات

یک لخت مشتغل ہو جاتے ہیں۔ تو پھر یہ تارک الدنیا نہایت بے چارگی سے اُن کا شکار ہو کر بیہودہ افعال کر گذرتے ہیں۔ جو ننگ شرافت و ایمان ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں ترک دنیا سے بعض قواے کو مارنا گویا خالق قواے کے فعل پر ایک بیہودہ نکتہ چینی کرنی ہے +

نفسانی جذبات دراصل خادم روحانیات ہیں

دراصل یہ جس قدر جذبات بہیمہ انسان میں رکھے ہوئے ہیں یہ سب کے سب خادم روحانیات ہیں۔ لیکن یہ لابدی بھی ہیں۔ جو مذہب یا سوسائٹی یا تعلیم ہماری فطرت کے ایک حصہ کی تربیت کرتی ہے۔ اور ہمارے دیگر قواء کو نظر انداز کر دیتی ہے وہ مکمل نہیں کہلا سکتی۔ یہ ہم تسلیم کرتے ہیں +

خدا ہی ہمارا آخری مرجع ہے۔ لیکن دوسری طرف اسی خدا نے ہماری فطرت میں یہ متضاد اور مختلف قوئیں رکھ دی ہیں۔ سوال صرف یہ ہے۔ کہ کس طرح انسان ان متضاد قوتوں میں سے نشو و نما پا کر کمال حقیقی کو پہنچتا ہے۔ اسلامی تعلیم کی رو سے نجات کے معنی کمال انسانی ہیں۔ اخلاق انسانی کو تا بحد کمال پہنچانا ہی ہماری غرض دنجات ہے۔ کیا کوئی مبشر انجیل ہمیں سمجھا سکتا ہے کہ کس طریق پر خون مسیح پر ایمان لانے سے انسانی قویٰ مستحکم ہو سکتی ہیں ہمارے لئے تو یہ ایک

سربستہ معمہ ہی ہے۔ کہ کس طرح تاریخ کے ایک واقعہ پر ایمان لانے سے یا کسی خاص عقیدہ کے رکھ لینے سے جیسا کہ عیسائی مذہب ہمیں سکھلاتا ہے مسیح کی مصلوبیت ہماری نجات کے لئے تھی۔ کس طرح یہ عقیدہ ہم کو مختلف جذبات کا قابو دے کر ہمارے اخلاق کی اصلاح کر سکتا ہے ہم تو ہر اپنے معاملہ میں کسی نہ کسی ضابطہ یا قانون کے پابند ہوتے ہیں۔ ہماری کل ترقیات کسی راستہ پر چلنے سے ہی حاصل ہوتی ہیں تو پھر مذہبی معاملات میں ہمیں یہ کیوں سکھلایا جاتا ہے۔ کہ بعض عقائد اختیار کر لینے کے لئے خواہ ہم عمل کریں یا نہ کریں۔ ہم نجات پالینگے۔ یا منزل مقصود تک پہنچ جائینگے۔ یہ ایک ناقابل عفو بیہودگی ہے۔ یہ وہ مایوس ناکامی ہے جس کا تجربہ یورپ نے گذشتہ دو ہزار برس میں کیا +

اس زندگی میں خدا سے متحد ہونا

کیا ہے۔ صرف ان ربانی جوہروں کو نشوونما دینا۔ جو انسان کے اندر مختلف جذبات اخلاق چھپے ہوئے ہیں ضرورت یہ ہے۔ کہ کس طرح انسان ان متضاد جذبات پر قابو پاکر ان کی تعدیل و تہذیب کرے۔ کس طرح اُن کو تربیت دے کر ایک ہم آہنگی کے ذریعہ اُن کا تصفیہ کرے۔ اور اس طرح ان کے وہ جوہر چمک اُٹھیں۔ جو خدا تعالیٰ نے انسان میں رکھے ہیں یعنی انسان کی تمام روحانی قوتیں نشوونما

پاکر ربانی اخلاق بن جائیں - اور وہ متصف باخلاق اللہ ہو جائے یہ ہے حقیقت صوفیت اسلام میں - اور یہی غرض و نمائت اس تعلیم کی ہے - جس کا نام بعض نے باطنی تعلیم اسلام رکھا ہے +

یورپ میں مذاہب باطنیہ

اسلام میں اگر کوئی باطنی حصہ تعلیم ہے - تو اس کو اس سے کوئی تعلق نہیں جس کا نام یورپ میں سپرچولزم ہے جس کے پیچھے یہاں کے لوگ مرد عورت جاہلت و استعجاب سے یہاں پھر رہے ہیں - اور نہ اسلام کے علوم باطنیہ کو اس علم باطنی سے تعلق ہے - جس کا ایک خاص اور غلط مفہوم عیسائیوں میں پھیلا ہوا ہے جب کبھی کسی فاضل الٰہیات عیسویت کو بائیبل کی کسی آیت کے معنے سمجھ نہیں آتے - یا وہ کسی واقعہ مندرجہ بائیبل کی معقولیت کے ساتھ تشریح نہیں کرسکتا - تو جھٹ وہ اس مصیبت کو یہ کہہ کر ٹال دیتا ہے - کہ یہ اپنے اندر ایک باطنی معنے رکھتی ہیں - اور پھر وہ بذات خود اس کی تشریح کرنے لگتا ہے - مثلاً جس قدر معجزات مسیح کا ذکر بائیبل میں ہے - آج ان سے مراد حقیقت نہیں - بلکہ استعارے لئے جاتے ہیں دور از راہ تشریحات سے ان معجزات کے معنے کئے جاتے ہیں - اور ان کا نام علوم باطنیہ رکھا ہوا ہے - جناب مسیح اپنے معجزات

کے متعلق فرماتے ہیں۔کہ یہ تمہارے لئے بھی مشکل نہیں۔ البتہ یہ باتیں نماز اور روزے سے حاصل ہو جاتی ہیں۔ہم منتظر ہیں۔ مسیح کے اس قول میں جو روزہ اور نماز کا اشارہ ہے۔نہ معلوم یہ شارحان علم باطنی اس کی کیا تشریح کرینگے +

یہ میں نے ابھی بیان کیا ہے۔کہ وہ نور الہی جس کے کامل طور پر چمک اُٹھنے پر انسان خدا کی ایک کامل تصویر بن جاتا ہے۔ وہ مختلف خواہشات وجذبات پر ایک قسم کی موت وارد نہ ہو جائے۔ تب تک وہ اعلیٰ روحانی حالت حاصل نہیں ہو سکتی۔ وہ دن روحانیت کی فتحمندی اور الہی جلال کی باریابی کا ہوگا۔جب دن ہمارے ان بہیمیہ خواہشات پر موت وارد ہو جائینگی۔ہم اسی دن تک اندھے ہیں۔ جس دن تک دنیوی نظاروں کی طرف سے ہم اندھے نہیں ہو جاتے ہم اسی دن تک بے جان ہیں۔جب تک کہ ہم خدا کے ہاتھ میں ایک بے جان کی طرح نہیں ہو جاتے۔یہ حالت ہم میں پیدا نہیں ہو سکتی۔ جب تک کہ ہماری تمام جسمانی قوتیں اور ہماری تمام طاقتیں اللہ تعالے کی رضا میں نہیں لگ جاتیں۔اور ہماری زندگی اور موت کا مقصد خدا تعالے کی رضا نہیں ہو جاتی۔جب ایک سالک اس طرح اپنی رضا کو خدا کی رضا تلے کر دیتا ہے۔تو پھر خدا کی رضا اُس کی رضا ہو جاتی

ہے۔ اس کی اگر کوئی خوشی ہے۔ تو وہ خدا کی اطاعت ہے "**میری مرضی نہیں تیری مرضی**" اس کا طریق عمل ہوتا ہے۔ یہی لفظی معنوں میں اسلام ہے۔ اسلام وہ جلتی ہوئی آگ ہے جو تمام سفلی خواہشوں کو بھسم کر کے اور تمام جھوٹے معبودوں کو آگ لگا کر ہماری زندگی ہماری جائداد اور ہماری عزت کو خدا کے آگے بطور قربانی رکھ دیتی ہے۔ اس چشمۂ حقیقی پر پہنچ کر پھر ہم ایک نئی زندگی کا پانی پیتے ہیں۔ ایک آگ بجلی کی طرح ہم میں سے نکلتی ہے۔ اور ایک آگ اوپر سے آتی ہے۔ یہ دونوں شعلے آپس میں بلکہ ہماری تمام ادنیٰ خواہشوں اور بہیمہ جذبات کو اور تمام غیر اللہ کی محبتوں کو فنا کر کے ایک موت ہماری پہلی زندگی پر وارد کر دیتی ہے۔ ہم ایک نئی زندگی پا لیتے ہیں۔ اسی منزل کا نام مسلم صوفیوں نے خدا کا ملنا کہا ہے۔ اس مقام پر انسان خدا کا چہرہ دیکھتا ہے۔ اس کا اور خدا کا اس قدر شدید تعلق ہو جاتا ہے۔ کہ گویا وہ خدا کو اپنی آنکھ سے دیکھتا۔ ایک طاقت اسے اوپر کی طرف سے آتی ہے۔ اور اس کے اندرونی قوا منور ہو جاتے ہیں۔ اور ایک خالص بہشتی زندگی مقناطیس کے اثر کی طرح کام کرنے لگ جاتی ہے۔ اس مقام پر پہنچ کر خدا کی آنکھ ہو جاتا ہے۔ جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اس کے ہاتھ ہو جاتا ہے جس سے وہ کام کرتا ہے۔ اس کے کان ہو جاتا ہے۔ جس

سے وہ سُنتا ہے۔ اُس کے پاؤں ہو جاتا ہے جس سے وہ چلتا ہے۔ گویا انسان خدا کی کامل تصویر ہو جاتا ہے۔ اس حالت پر پہنچے ہوئے انسانوں پر لوگوں نے خدا کے اوتار ہونے کا دعوےٰ کیا ہے۔ یہی وہ انسانی کمال کی حالت ہے۔ جب ایک انسان[1] لعزارس کو مُردوں میں سے زندہ کرتا ہے۔ نعمان کوڑھی کے کوڑھ کو اچھا کرتا ہے۔ یہی وہ مقام جب ایک انسان (حزقیل نبی) ہڈیوں کی وادی میں جا کر ہڈیوں میں سے ایک لشکر پیدا کرتا ہے۔ یہی عالی مقام ہے۔ جب عرب کے بیابان میں سینکڑوں انسان (صحابہ نبی کریمؐ) ایک شکیزہ سے پانی پی لیتے ہیں +

اس ربانی حالت کو حاصل کرنے میں ہمارے رسول اکرم نے کیا ذیل کے مختصر الفاظ فرمائے :-

خدا فرماتا ہے۔ اے انسان! تو میرے قانون کی اطاعت کر۔ تو پھر تو مجھ جیسا ہو جائیگا۔ پھر جب تو کہے گا۔ ہو۔ تو ہو جائے گا +

"میرے قوانین کی پیروی کر۔ اور تو مجھ جیسا ہو جائیگا" دراصل یہ الفاظ نہ صرف صوفیت کی علت غائی اور صوفیت کے مسلک کو ظاہر کرتے ہیں۔ جذبات یا خواہشات یا ایسے قواء کو مار ڈالنا جو ہمارے

[1] یہاں انسان سے مراد مسیح ہے۔ یعنی یہ معجزات مسیح کی بائیبل میں درج ہیں۔

روحانی ترقی کے مانع ہے۔ اس سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ مقصد عالی تو ان سب چیزوں کو خدا کی حکومت تلے لانے سے حاصل ہو جاتا ہے۔ ہم کو تہذیب و تربیت کی منازل کو طے کرنا ہے۔ ہمیں ایسے قوانین اور شرایع کی ضرورت ہے۔ جس سے ہم اپنے قویٰ کی تبدیل و تہذیب کر سکیں۔ ہم ایسے قوانین کے محتاج ہیں۔ جو ہماری جسمانی و اخلاقی اور روحانی حالات کی اصلاح کر سکے۔ انسان کی جسمانی حالتیں اُس کی روحانی اور اخلاقی حالتوں سے بالکل جکڑی ہوئی ہیں۔ یہاں تک کہ ہمارا کھانا۔ پینا۔ چلنا۔ پھرنا۔ ہماری روحانی اور جسمانی حالتوں پر ایک گہرا اثر ڈالتا ہے۔ لہذا جس وقت ہم اپنے طبعی تقاضوں کو قوانین کے نیچے لے آتے ہیں۔ تو انہی سے ہماری اخلاقی حالتیں پیدا ہو کر ہماری روحانیت پر ایک بہتر اثر کرتی ہیں۔ ایک مسلم صوفی اسی لئے حسب تعلیم قرآن طہارت جسمانی پر زور دیتا ہے۔ اور اپنی عبادات میں اس کو لازمی ٹھیراتا ہے۔ طہارت جسم سے وہ طہارت روح کی طرف آتا ہے۔ الغرض یہ کہ روح کی ترقی تمام قواء کو اسی غرض کے ماتحت رکھنے سے حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح سے ہمارے تمام جذبات اور خواہشات پر بھی ایک قانون حاوی ہونا چاہئے۔ جس میں کھانے پینے اور طہارت جسمانی کے تمام فوائد مرتب ہوں۔ اسی طرح سے ہمارے تعلقات جو

دوسروں سے ہوتے ہیں ۔ وہ بھی ایک شریعت کے نیچے آکر ہماری اصلاح اخلاق کر دیتے ہیں ٭

اگر خدا کی مرضی کے آگے اپنی مرضی کے چھوڑ دینے کا سبق جو جناب مسیح نے صلیب پر سے دیا ہی بہی خدا تک پہنچانے کے لئے ضروری ہے تو پھر کوئی نہ کوئی راستہ ہمارے سامنے ہونا چاہیے ۔ جو ہمیں ہماری مختلف قوتوں کو خدا کی مرضی کے ماتحت لانا سکھلائے ۔ "میری مرضی نہیں تیری مرضی" کا مبارک جملہ اس کے منہ کو سجتا ہے ۔ جس کو تیری مرضی معلوم ہو ۔ لہذا ہم اس بات کے محتاج ہیں ۔ کہ اپنی سالکانہ منازل کے طے کرنے میں ایک ضابطہ شریعت اپنے ہاتھ میں رکھیں

رسالہ اشاعت اسلام کے اغراض و مقاصد

رسالہ اشاعت اسلام اردو — رسالہ اسلامک ریویو انگریزی

اس رسالہ کی غرض و غایت بلاد غربیہ میں اشاعت اسلام کو مضبوط کرنا ہے اسکا سارا منافع اس ہی کام پر خرچ ہوتا ہے اسکی خریداری کے بڑھنے سے ذیل کے امور مترتب ہونگے (۱) اس ایک اعلیٰ پایہ کا اسلامی لٹریچر پیدا ہوگا جسکو انگلش پریس نے اسلام کی ایک طاقت تسلیم کیا ہے (۲) اخراجات اشاعت اسلام میں سہولت ہو جاویگی (۳) منتظمین اسلامک ریویو انگریزی مجریہ لنڈن کو موجودہ سے زیادہ تعداد میں انگریزی رسالہ مفت بلاد غربیہ میں تقسیم کرنیکا موقع ملیگا اور اس طرح یہ اعلےٰ مقصد پورا ہو جاویگا جس کیلئے یہ رسالہ جاری کیا گیا ہے۔ رسالہ اسلامک ریویو قیمت انگریزی ععہ

نوٹ۔ اردو رسالہ کا سالانہ چندہ مبلغ ۳ روپے ہے تمام درخواستیں خریداری

بنام منیجر

اشاعت اسلام عزیز منزل۔ نولکھا۔ لاہور آنی چاہئیں۔ منیجر

تصنیفات حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مبلغ اسلام مشنری

براہین نمبرہ حصہ اول المعروف بہ قرآن ایک خاتم ناطق اور عالمگیر الہام - اردو - قیمت (۱۲)

ام الالسنہ یعنی عربی ہی کل بانوں کی ماں ہے اردو - قیمت (۱۲)

اسوۂ حسنہ یا رسول بہ زندہ اور کامل نبی اردو (۸)

احادیث نبوی کا - اقتباس انگریزی (۲)

مسلم پریئر " (۴)

صحیفۂ آصفیہ تبلیغ بحضور نظام حیدر آباد دکن اردو قیمت (۲)

بنگال کی دلچوئی انگریزی اردو - قیمت فی کتاب (۱)

مسلم مشنری کے ولایتی لکچروں کا سلسلہ اردو (۱)

اور تین عدد " " انگریزی (۳)

مسلم ان چیود ٹو ورڈ گورنمنٹ انگریزی - کرشن اوتار اردو فی کتاب (۱)

اسلامک ریویو مسلم انڈیا کی جلدیں ۱۹۱۳-۱۹۱۴ء انگریزی قیمت فی جلد ۸ جلد ۱۹۱۵ء ۱۲ جلد ۱۹۱۶ء ۵

رسالہ اشاعت اسلام اردو ترجمہ اسلامک ریویو کے سابقہ پرچے جولائی ۱۹۱۳ء لغایت دسمبر ۱۹۱۴ء (۱۰)

دیگر مختلف تصنیفات

قرآن کریم کے تفسیری نوٹ - پارہ اول مرتبہ حضرت مولوی محمد علی صاحب ایم - اے اردو (۶)

نکات القرآن حصہ دوم ۶ - حصہ سوم (۸) حصہ چہارم (۸)

عصمت انبیا (۸) غلامی .. (۴)

ویسٹرن اویکننگ ٹو اسلام مصنفہ جناب لارڈ ہیڈلے صاحب بالقابہ نومسلم (انگریزی) (۱۲)

التوحید جس میں لا الہ الا اللہ کی مختصر تفسیر مصنفہ جناب ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب ایل ایم ایس (۱)

طریق فلاح جس میں بت پرستی کی بنیاد اور اس سے بچنے کی آسان راہ مصنفہ جناب ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب ایل - ایم - ایس (۱)

Miracle of Mahd

مصنفہ مشیر حسین صاحب قدوائی بیرسٹر ایٹ لا انگریزی (۲)

اسلام اینڈ سوشلزم " (۴)

پیغام صلح انگریزی و اردو فی رسالہ (۱)

النبوۃ فی الاسلام - نبوت کی اصل غرض و غایت مصنفہ حضرت مولوی محمد علی صاحب ایم اے (۱۰)

حدوث مادہ " " (۴)

جلد اول ۱۹۱۵ء رسالہ اشاعت اسلام (۸)

جلد دوم ۱۹۱۶ء " (۸)

ملنے کا پتہ

خواجہ عبدالغنی منیجر اشاعت اسلام بک ڈپو عزیز منزل احمدیہ بلڈنگس نولکھا - لاہور

نوٹ - نمبر ۱ و ۲ و ۳ و ۴ - ناظرین کرام ان کتب کو اپنے حلقہ اثر میں اور غیر مسلم احباب میں مفت تقسیم فرما کر ثواب دارین حاصل کریں